آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ⁂ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ جون و جولائی ۱۹۰۸ء | نمبر ۶ و ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری وحی

۹- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ۱- سر نگ -

۲- الرحیل ثم الرحیل -

۱۵- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ڈرو مت مومنو!

۱۷- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - انی مع الرسول اقوم -

جون اور جولائی کا رسالہ اکٹھا شایع کیا جاتا ہے - اور بجائے ۸۰ صفحوں کے ۱۰۸ صفحوں پر شایع ہوتا ہے - بہ سبب دو ضروری مضامین کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھے گئے ہیں یہ انتظام کرنا پڑا - اس لیے ناظرین مطلع رہیں کہ ۲۰- جولائی کو اردو میگزین شایع نہ ہوگا اور اگلا پرچہ ۲۰- اگست کو شایع ہوگا -

تفسیر القرآن چونکہ اس مرتبہ رسالہ کا حجم قریباً دگنا ہو گیا ہے اور مطبع بھی اور ضروری کام میں رکا ہوا ہے اس لیے تفسیر القرآن کا نمبر جو ۳۰ جون کو شایع ہونا چاہیئے تھا ۳۱ جولائی کو شایع ہوگا لہٰذا خریداران تفسیر القرآن ایک ماہ انتظار کریں - اگر چھپوائی کا کوئی انتظام ممکن ہوتا تو یہ دیر نہ ہوتی مگر بحالت مجبوری اسقدر التوا کیا جاتا ہے - ناظرین معاف رکھیں -

حضرت اقدسؑ کی تصنیفات

حضرت مسیح موعودؑ کی بعض تصنیفات زیر طبع تھیں جن میں سے بعض ایک حد تک مکمل اور بعض نامکمل رہی ہیں - خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے پسند فرمایا ہے کہ یہ کتابیں اسی ہیئت میں شایع ہو جائیں جس ہیئت میں حضرت اقدسؑ انکو چھوڑ گئے ہیں اس لیے ان میں اسوقت بغیر کسی قسم کے تغیر تبدل کرنیکے اب انکو شایع کیا جاتا ہے - یہ اب حضرت اقدسؑ کے گویا تبرکات ہیں - اور حضرت مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ

نوٹ - صحیح - صفحہ ۲۴۵ سطر ۱۰ میں کاتب کی غلطی سے سنہ ۱۹۰۶ء کی بجائے سنہ ۱۹۰۸ء لکھا گیا ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

کچھ عرصہ ہوا ہے چیف کورٹ پنجاب نے ایک مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے مسلمان عورت کے عیسائی ہو جانیسے مسلمان خاوند کے ساتھ اس کا نکاح معاً فسخ ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ کا اثر جیسا کہ ظاہر تھا یہ ہوا ہے کہ بعض عورتوں نے طلاق کے حاصل کرنیکی غرض سے اسلامی مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مقدمات بھی عدالتوں کے سامنے آئے ہیں۔ درحقیقت مسلمان گھرانوں اور مسلمان سوسائٹی کے لیے یہ ایک ایسا خطرناک فیصلہ ہے جسکا اثر بہت دُور تک پہنچتا ہے۔ اور اگر اس فیصلہ کی اصلاح نہ ہوئی تو اس قسم کے ارتداد کے واقعات سے اسلامی سوسائٹی میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہو گا دن بدن بڑھتے چلے جاویں گے۔ فاضل ججان چیف کورٹ نے جنہوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس مسئلہ کی تہ تک جانے اور اس کے اصل اصول کو تحقیق کرنیسے انکار کیا ہے اور اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں پر اور اس شہادت پر جو انسے پیدا ہوتی ہے غور کرنیکو ضروری خیال نہیں کیا۔ اس فیصلہ کو پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ججوں کے سامنے ایسی شہادت اور اصل ماخذ پیش بھی نہیں کیے گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر وہ پیش کر بھی دیئے جاتے تو بھی فاضل جج انکی کچھ پروا نہ کرتے

فیصلہ میں اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمان علما کے درمیان اختلاف
ہے کہ آیا عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں مگر ججوں کی رائے میں کثرت سے
علمار اسی طرف گئے ہیں کہ فسخ ہو جاتا ہے۔ ہماری رائے میں ججوں کو اس بات کے سمجھنے میں
سخت غلطی لگی ہے کہ احکام مرتدین جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں انگریزی سلطنت کے ماتحت
ہندوستان میں کس حد تک جاری کیے جا سکتے ہیں چونکہ یہ ایک اہم اور ضروری مسئلہ
ہے اس لیے ہم اپنی دلایل کو جن سے ججان چیف کورٹ کی غلطی ظاہر ہوتی ہے کسی قدر
تفصیل کے ساتھ نیچے درج کرتے ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ یا مجلس واضع
قوانین اس معاملہ میں کوئی ایسی تجویز کریگی جس سے ان مضار کا جو چیف کورٹ کے فیصلہ
سے پیدا ہوئے ہیں خطرہ باقی نہ رہے۔ علمائے اسلام کی خدمت میں بھی یہ التماس ہے
کہ وہ اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے اور غور کے ساتھ پڑھیں۔

اسلامی شریعت کا اصلی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن کریم ہے۔ اور اس کتاب میں مرتدین
کے متعلق جو آیات ہیں وہ ایسی صریح اور کھلی کھلی ہیں کہ ان پر کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت
نہیں بلکہ سیدھے سادے ترجمہ سے ہی ناظرین اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔ سب سے پہلے سورہ
بقرہ کی یہ آیت قابل غور ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم
عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر
فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحاب النار
ھم فیھا خالدون۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷ پارہ دوم رکوع ۱۱) اے مسلمانو! یہ کفار تم
سے سدا لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمہیں تمھارے دین سے مرتد
کر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوگا اور پھر کفر ہی کی حالت میں مر جائیگا
یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور یہی آگ والے ہیں اس
میں رہ پڑیں گے۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کیلیے قرآن کریم

بھی کوئی سزا بتائی ہے مگر وہ سزا کیسی ہے؟ آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جایا کرے تم اس کو قتل کر دیا کرو۔ بالفاظ دیگر ارتداد کی سزا حکومت کے ہاتھ میں نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت پر ہی مر جائے اُس نے جو کچھ نیک عمل ایمان کی حالت میں کیے تھے وہ بھی اکارت جائیں گے اور انکا اجر نہ اُسکو اس دنیا میں ملیگا نہ آخرت میں۔ اور آخرت میں اس کے لیے عذاب جہنّم ہوگا۔ اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے اور وہ ہے لفظ فیمت یعنی مرتد کے لیے یہ فرمایا کہ وہ مر جائے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مارا جائے یا قتل کیا جائے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کافر دن رات زور لگاتے تھے کہ مسلمانوں کو مرتد کریں اور ان کے بس میں ہوتا تھا تو زور سے بھی انکو مرتد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں سے جنگ کرنیکی علت غائی یہ تھی کہ ان کو دین اسلام سے روکا جائے اور اس دین پر نہ رہنے دیا جائے۔ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جو الزام مسلمانوں پر جہاد کا لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت انکے دشمنوں یعنی کفار عرب پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں سے اس لیے جنگ کرتے تھے کہ انکو زبردستی دین اسلام سے نکالکر پھر کفر میں داخل کریں۔ پس جہاد اپنے مشہور معنوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوتا تھا نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار پر۔ بلکہ مسلمانوں کے جنگ صرف دفاعی تھے۔ وہ دین اسلام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لہذا جب انکو تلوار سے نیست و نابود کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا گیا تو انکو بھی خدا کی طرف سے اپنی حفاظت کی اجازت دی گئی۔

ایک اور آیت مرتدین کے متعلق سورہ مائدہ میں ہے جو اخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت اسطرح پر ہے۔ یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین

یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ واسعٌ علیم ۔(سورۃ مائدہ رکوع ۸۔ پارہ ۶ رکوع ۱۲) اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ ایک ایسی قوم لا موجود کریگا جنکو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسے دوست رکھنے ہونگے وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونگے اللہ کی راہ میں کوششیں کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع اور وہ سب کے حال سے واقف ہے ۔ اس آیت میں گویا مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد بھی ہو جائے تو تم کچھ فکر نہ کرو اور ایسے شخص کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک قوم کی قوم کو دین اسلام میں داخل کرے گا اور وہ قوم بھی بڑے مضبوط ایمان والی ہوگی۔ یہاں بھی مرتدین کے لیے کوئی سزا بیان نہیں فرمائی کہ انکو قتل کردو یا انکے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرو۔

یہ تو دو مدنی آیات ہیں مکی آیات میں بھی مرتدین کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں ہے یعنی وہاں بھی یہی فرمایا کہ مرتدین کے لیے آخرت میں عذاب ہوگا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مرتدین کو یہ سزا دو یا وہ سزا دو۔ سورہ نحل کی ذیل کی آیات پر غور کرو۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان و لکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم ٥ ذٰلک بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکافرین ٥ اولٰئک الذین طبع اللہ علٰی قلوبھم وسمعھم وابصارھم و اولٰئک ھم الغافلون ٥ لا جرم انھم فی الاٰخرۃ ھم الخاسرون ٥ (سورہ نحل رکوع ۱۴) جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کیا جائے درانحالیکہ اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے سے تو مواخذہ نہیں لیکن جو شخص جی کھولکر کافر ہو

تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور انکے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی سے پیار کرکے اسے آخرت پر مقدم کرلیا اور بیشک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی اور وہ غافل ہیں ضرور ہے کہ آخرت میں یہ لوگ گھاٹے میں رہیں۔ یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپ کے ساتھیوں کو جنپر کفار کا بس چلتا تھا دین اسلام قبول کرنیکی وجہ سے سخت ایذائیں دیجاتی تھیں۔ اور انکو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام سے بیزاری ظاہر کریں۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں مکی آیات میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے انہی الفاظ میں مدنی آیات میں ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام مرتدین جو کچھ مکہ میں تھے وہی مدینہ میں بھی جاری وساری رہے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اگرچہ شریعت کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوا مگر احکام مرتدین مدینہ میں کوئی نئے نازل نہیں ہوئے ورنہ ضرور تھا کہ قرآن شریف میں ان احکام کا خاص طور پر ذکر ہوتا نہ کہ جس طرح مکہ میں مرتدین کے لیے سزا صرف عالم ثانی میں بتائی گئی تھی اسی طرح مدینہ میں بھی ان کے متعلق یہی کہا جاتا کہ وہ آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

غرض کہ قرآن شریف میں نہ ابتدائی سورتوں میں اور نہ آخر زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مرتدین کو قتل کردینا چاہیئے یا یہ کہ انکو اور کسی قسم کی سزا دینی چاہیئے۔ چند جگہ اور بھی دین اسلام میں داخل ہوکر کفر کی طرف لوٹ جانیکا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی سزائے قتل کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ناظرین کی تسکین کے لیے ہم ان آیات کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۰ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینت واللہ لا یھدی القوم الظالمین ۰ اولئک جزاؤھم

ان علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین o خالدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ھم ینظرون o الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم o ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولئک ھم الضالون o ترجمہ۔ کسطرح اللہ ہدایت دیگا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور انکے پاس کھلے ثبوت بھی آچکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُنپر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اسی میں رہ پڑیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ہی انکو مہلت دیجائے گی مگر جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی ارتداد کے بعد) توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ بھی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے اور پھر کفر میں ترقی کرتے گئے انکی توبہ قبول نہیں کیجائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔ اور سورہ نساء رکوع ۲۰ میں ہے ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے خدا انکو نہیں بخشے گا اور نہ ہی انکو ہدایت کرے گا۔

ایسا ہی سورہ آل عمران میں یہودیوں کی تدابیر کا جو وہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے سوچا کرتے تھے ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقالت طائفۃ من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون۔ اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اس چیز پر جو مسلمانوں پر اُتاری گئی ہے اول روز میں تم ایمان لاؤ اور آخر روز میں اس سے انکار کرو شاید اس تدبیر سے (یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ کو ایمان لائے بعد مرتد

ہوتا دیکھکر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔

یہ قرآن شریف کی وہ آیات ہیں جو ارتداد اور مرتدین کے متعلق مجھے ملی ہیں۔ انکے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ مرتدین کو کسی قسم کی سزا دینے یا انکو قتل کرنیکا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اگر انکے لیے کسی سزا کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ وہی عذاب آخرت ہے جس میں وہ دوسرے کفار کے ساتھ شریک ہونگے۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کئی کئی دفعہ اسلام لاتے اور مرتد ہوتے تھے۔ حالانکہ اگر مرتد کو معاً قتل کرنیکا حکم ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عملدرآمد ہوتا کہ جب کسی شخص سے ارتداد وقوع میں آئے اسے فوراً قتل کرا دیتے تو اسطرح بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا ناممکن تھا۔ سب سے آخری آیت جس میں یہودیوں کے حیلوں اور تدابیر کا ذکر ہے اس بات پر کہ مرتدین کو قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد نہ تھا قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہودی بعض اپنے لوگوں کو یہ تجویز بتاتے تھے کہ مسلمانوں کو اسطرح مرتد کیا جائے کہ ایک گروہ کا گروہ صبح کو اسلام پر ایمان لے آئے اور شام کو اسلام کو جھوٹا کہکر انکار کر دے جس سے غرض انکی یہ تھی کہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ اہل کتاب کا ایک بڑا گروہ اسلام کو دیکھکر اسکا منکر ہو گیا ہے تو ضرور انکے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ انہوں نے واقعی اسلام کا جھوٹا ہونا معلوم کرکے ہی اسے چھوڑا ہوگا اور کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو اہل کتاب ایمان لانیکے بعد اسے کیوں چھوڑتے۔ اب ہمیں اس غرض کے لیے جس کے لیے ہم نے اس آیت کو نقل کیا ہے یہ ثابت کرنیکی ضرورت نہیں کہ تاریخی طور پر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں سزائے ارتداد قتل ہوتی تو یہودیوں کے دلوں میں ایسی تجویز ہی نہ آسکتی تھی۔ کیونکہ جس صورت میں وہ جانتے تھے کہ مرتدین کو تو مسلمان قتل کر دیں گے تو وہ اپنے لوگوں کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ تم صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار

کردو ؟ کیا وہ اپنی ہی قوم کو مروانا چاہتے تھے ؟ پس یہ آیت ایک قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ اسلام میں سزائے ارتداد قتل نہ تھی ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا تھا ۔ بلکہ یہ آیت ابتدائی مدنی زندگی کے وقت کی بھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ابتدا میں یہودیوں کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور انکی دشمنی بعد میں بڑھ گئی تھی ۔ ان تمام آیات منقولہ بالا کو پڑھکر ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم میں جو اسلامی شریعت کا اصل چشمہ ہے مرتدین کے لیے سزائے قتل یا دوسری کسی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔

اس کے بعد اب ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا سرچشمہ ہے ۔ مگر قبل اس کے کہ ہم احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول کو اس بارہ میں بیان کریں ایک بات کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے جو بطور ایک اہم اصل کے یاد رکھنی چاہیئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کی حکمت سمجھنے کے لیے یا اس کی اصل غرض معلوم کرنے اور اس کی تہ تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت آپنے کوئی فعل کیا یا کوئی بات بیان فرمائی ۔ اکثر جگہ جہاں آپکے قول یا فعل سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے اس کی تہ میں اس اصل کی فروگذاشت ہے یعنی ان خاص حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جنکے ماتحت آپنے کوئی کام کیا یا کرنیکا حکم دیا یا کوئی بات بیان فرمائی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک ہی طرز کی واقع نہ ہوئی تھی بلکہ آپ کی زندگی میں انسانی زندگی کے تمام پہلو بدل بدل کر آتے رہے تا جو ہدایات انسانی زندگی کے مختلف حالات کے لیے ضروری ہیں آپ سے وہ عملاً ثابت ہو جاویں ۔ اور ضروری ہے کہ ان مختلف حالات میں جو کام آپنے کیا یا جو حکم آپنے دیا اسپر غور کرتے وقت ان حالات کو بھی مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت ایسا کیا گیا یا کہا گیا ۔ آپ کی زندگی مختلف زمانوں میں تقسیم ہو سکتی

ہے جن میں سے ہر ایک زمانہ میں جداگانہ حالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ سب سے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دیگئی کہ اپنے دینی دشمنوں کی سخت سے سخت اذیتوں اور تکلیف رسانیوں کے نیچے کسطرح صبر اور بُردباری سے اُنہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد ہجرت اولیٰ کا زمانہ ہے جس میں اکثر مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے ملک حبش میں چلے گئے جہاں ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔ اس میں انکو یہ تعلیم دی گئی کہ جہاں حکومت کی طرف سے انکے مذہب میں کوئی دست اندازی نہ کیجاوے تو انکو کسطرح فرمانبرداری اور امن پسندی اور وفاداری کے ساتھ اور دوسری قوموں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگیاں بسر کرنی چاہییں۔ اس کے بعد پھر وہ زمانہ آتا ہے جب آپ مع تمام صحابہ کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا بسے۔ جہاں اور بھی قومیں مثل یہودیوں اور بُت پرستوں کے موجود تھیں اور کچھ مسلمان بھی تھے مگر ملکی طور پر وہ سب ایک تھے اور اس جگہ ایک قسم کی جمہوری سلطنت قایم ہوگئی جس میں اعلیٰ اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیے گئے۔ اس زمانہ میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے عملی طور پر یہ دکھایا کہ کیونکر مسلمان ایک مسلمان گورنمنٹ کے نیچے رہ کر بھی اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ ملکی طور پر اتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کسطرح ایک اسلامی گورنمنٹ کو اپنے غیر اسلامی رعایا کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ غیر مسلم رعایا اس کے مذہب کی کیسی ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ یہاں یثرب کے حدود کے اندر مسلمان یہودی اور بُت پرست ملکی طور پر ایک ہی قوم کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اس جمہوری انتظام کے حاکم اعلیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اسی طرح اب ایک چوتھا اور نیا زمانہ مسلمان سوسائٹی پر آتا ہے جس کا باعث خود مسلمان نہیں بلکہ انکے دشمن تھے یعنی وہ کفار جنہوں نے مکہ میں انکو امن نہ لینے دیا تھا اور جنکی اذیتوں کی خاطر وہ اپنے پیارے وطنوں کو چھوڑ کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں پناہ گزین ہوئے تھے۔ اگر کفار قریش اپنی دشمنی

ہیں حد سے نہ بڑھ جاتے اور تلواریں ہاتھ میں لیکر اسلام کے نیست و نابود کرنیکے درپے نہ ہو جاتے تو اسلام کی اس حالت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے اسجگہ کیا ہے مگر ان کوتہ اندیشوں نے جب دیکھا کہ اسلام کیسے امن کے ساتھ مدینہ میں ترقی کرتا جا رہا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم اس ابتدائی حالت میں اسکو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ ادھر یہودیوں کو حالانکہ وہ ملکی طور پر مسلمانوں سے اتفاق کر چکے تھے مگر تاہم انکے دلوں میں اسلام کی ترقی کو دیکھکر سخت جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور انکا کینہ اور بغض روز بروز ترقی کرتا گیا یہانتک کہ انہوں نے بھی خفیہ طور پر کفار کے ساتھ سازشیں کیں اور مسلمانوں کو نیست نابود کرنا چاہا۔ پس اب اسلام پر اور مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آگیا کہ چاروں طرف سے لوگ انکو ہلاک کرنیکے درپے ہو گئے۔ یہ لڑائیوں اور جنگوں کا زمانہ تھا جس میں کہا جا سکتا ہے کہ بجائے عام ملکی قوانین کے مسلمانوں کو بعض وقت جنگی قوانین جاری کرنے پڑے کیونکہ ہر طرف اور ہر وقت انہیں دشمنوں سے جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے وقت میں اسلام سے ارتداد صرف ایک مذہبی ارتداد نہ تھا بلکہ مسلمانی افواج کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ اور یہ ایسے لوگ ملکی طور پر مسلمانوں کے دشمن اور انسے جنگ کرنے والے ہوتے تھے۔ بلکہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک یہ اندرونی دشمن تھے کیونکہ انکو مسلمانوں کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ پس اگر ایسے وقت میں مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ آج کل ...... بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آئیں تو اسے یہی سزا تجویز کرنی پڑے گی۔ ورنہ امن نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ جنگوں کی حالت ایسی نہ تھی کہ آیندہ ہمیشہ کے لیے مسلمان اس حالت سے نہ نکلیں بلکہ انہی جنگوں کے اثناء میں جیسا کہ قرآن شریف اور تاریخ کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے بعض وقت صلح بھی ہو جایا کرتی تھی اور اسوقت جنگی قوانین موقوف ہو کر پھر انکی بجائے

وہی معمولی قوانین مروج ہوجاتے تھے جو پہلے امن کیحالت مروج تھے۔ اور جبتک پھر جنگ شروع نہ ہوتے ویسی ہی حالت رہتی پس اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہوسکتی ہے کہ ان احکام کو جو ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے ایک ایسی سوسائٹی پر لگایا جاوے جس کے حالات بالکل الگ ہیں۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو یہ نہیں کہتا کہ ہر قسم کے حالات کے ماتحت تم ایک ہی طرح کام کیا کرو بلکہ انکو یہ سکھاتا ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں انہی کے مطابق کام بھی کرنا چاہیئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام مختلف حالات کے واقع ہو جانے نے اہل اسلام کے لیے ہر قسم کی ہدایات عملی رنگ میں مہیا کردی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں اسلام کی پولیٹکل زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں کا نقشہ کھچا ہوا نظر آتا ہے۔ جنگ کی حالت بھی انہی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اور یہ خلاف تعلیم اسلام ہے کہ ہم ان ضوابط اور قواعد یا احکام کو جو اس خاص حالت یعنی جنگ کیحالت میں دیئے گئے تھے ایک ایسی حالت پر چسپاں کریں جہاں مسلمانوں کا نہ غیر قوم سے جنگ ہے اور نہ ہی انکی مذہبی آزادی میں کسی قسم کی دست اندازی کیجاتی ہے اور نہ ہی انکو اپنے مذہب کے پھیلانے یا اپنے اصول کی اشاعت کرنے یا اپنے عقاید کا اظہار کرنیسے روکا جاتا ہے۔ جنگ کی حالت اسلام کی اصلی حالت نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود اسلام کے نام سے ظاہر ہے اسلام کی اصلیت صلح ہے اور جنگ اسکو صرف بحالت مجبوری کرنے پڑے اور ایسے حالات کے ماتحت کرنے پڑے جنپر مسلمانوں کا اختیار نہ تھا یعنی انکو ٹالنے سے وہ جنگ ٹل نہ سکتے تھے کیونکہ مخالفین یہ ٹھان چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کو نیست و نابود کردیں۔ کیا تاریخ شہادت نہیں دیتی کہ مسلمانوں نے کس صبر

اور برداشت سے سخت مصائب اور اذیتیں اُٹھائیں اور ہر طرح کے دکھوں کو برداشت کیا؟ کیا یہ سب لغو اور بے معنی تھا اور اس میں یہ سبق نہ تھا کہ آیندہ بھی جب مسلمانوں کو ایسی حالت پیش آئے تو وہ اسی طرح کا صبر کا نمونہ دکھاویں؟ پھر غور کرو کہ حبش میں ایک عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت مسلمانوں نے کیسی شکر گذاری اور وفاداری کے ساتھ اپنے دن کاٹے۔ کیا اس سے یہ سبق نہیں ملتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو ایسی مہربان گورنمنٹ ملے تو وہ اس کے ماتحت ایسی ہی وفاداری اور شکر گذاری سے اپنی زندگیاں بسر کریں؟ پھر دیکھو کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا۔ اس حالت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس میں کیسی صراحت سے یہ تعلیم پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا یا ایسی غیر مسلم اقوام کی جن کے ساتھ انکا ملکی اتحاد ہو کس طرح حفاظت اور رعایت کرنی چاہیئے۔ اس معاہدہ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان اور تمام وہ لوگ جنہوں نے انکے ساتھ ملکی اتحاد کیا ہے ایک ہی قوم سمجھے جاویں گے۔ اور انکی صلح اور جنگ کی حالت ایک ہی ہوگی پھر صراحت سے اس بات کا ذکر ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی اس جمہوری سلطنت کے ساتھ اتحاد کریں۔ انکی ہر ایک رنج اور آزار سے پوری حفاظت کیجاویگی اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ایسا ہی حق ہوگا جیساکہ خود مسلمانوں کو۔ اور وہ تمام اپنے اپنے مذاہب پر اسی آزادی سے رہیں گے جیسے کہ مسلمان۔ اور مجرم خواہ کسی قوم یا مذہب کا ہو اُسے برابر سزا دیجاویگی یہود کا فرض ہوگا کہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور تمام ان لوگوں کے جو اس معاہدہ کو قبول کریں یثرب کے اندر مال و جان۔ اور آزادی کی حفاظت کیجاویگی۔ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے ساتھیوں کو ایک سے ہی حقوق حاصل ہونگے اور تمام جھگڑے جو اس معاہدے کے نیچے پیدا ہوں انکا آخری فیصلہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا۔

ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل میلان صلح کی طرف تھا اور جنگ صرف مجبوری کرنے پڑے۔ اسی کی تائید میں یہ امر بھی ہے کہ جنگ کے وقت میں بھی جب کبھی مخالفین مائل بہ صلح پائے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح کر لیتے بلکہ ایسی شرائط کو بھی قبول فرما لیتے جن کے قبول کرنے میں بظاہر ایک قسم کی کمزوری پائی جاتی۔ مگر آپ نہ چاہتے تھے کہ جب کفار صلح کا پیغام دیں تو پھر آپ محض انکی شرائط کی سختی کی وجہ سے رُکے رہیں اور مخلوق خدا کا خون ہونے دیں۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے۔ ۱۴۰۰ اصحابؓ کے ساتھ آپ مدینہ سے حج کا عزم کرکے چلے اور جب مکہ سے تھوڑی دُور رہ گئے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس روک کا نتیجہ صریحاً جنگ تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے صحابہؓ اس طرح بے نیل مرام واپس ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ادھر کفار نے ایسی شرائط پیش کیں جنکو قبول کرنے میں مسلمان ایک طرح سے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ مگر پیغمبر خدا چونکہ کسی صلح کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس لیے آپنے انہی شرائط کو قبول فرما لیا مگر جنگ نہ کیا۔ اس صلح نامہ کی شرائط میں یہ درج تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص قریش میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس قریش کے حوالہ کریں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے قریش کے ساتھ جا ملے تو مسلمانوں کو اسے واپس طلب کرنیکا کوئی حق نہ ہوگا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ جو قوم ملنا چاہے مل سکے گی اور مسلمان اس مرتبہ بلا حج کرنیکے واپس ہونگے مگر آیندہ سال انکو حج کرنیکی اجازت ہوگی بشرطیکہ انکی تلواریں میانوں میں ہوں اور تین دن سے زیادہ وہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔ غرض تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کن

واقعات کے ماتحت آپ نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم مرتدین کے قتل کرنیکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو وہ نہ اُسوقت دیا جب کہ آپ مکہ میں تھے نہ اُسوقت جبکہ آپ کے صحابہؓ حبش میں تھے اور نہ ہی اُسوقت جبکہ آپ پہلے پہلے مدینہ میں جاکر ٹھہرے بلکہ یہ حکم اسوقت دیا گیا جب کہ اسلام کے جنگ کفار کے ساتھ اسطرح شروع ہو گئے کہ متواتر ایک سلسلہ ہی چلا چلتا تھا۔ گویا امن کی حالت لڑائی کیحالت سے بدل چکی تھی اور اس لیے اسی کے مناسب حال حکم دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ان حالات میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو کر انکے دشمنوں کے ساتھ ملنے کے برابر تھا کیونکہ لڑائی صرف دو لشکروں کے درمیان نہ تھی بلکہ کفار کا ارادہ تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی قوم کے ہوں نیست و نابود کرنیکا تھا۔ اور یہ جنگ گویا مسلمان سوسائیٹی کے خلاف تھی۔ پس وہ ضرورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ وہ مرتدین کے قتل کا حکم دیں خود مسلمانوں کی حفاظت تھی۔ کیونکہ ارتداد اسوقت میں خالی مذہبی عقاید سے پھر جانا نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا جنگ میں ایک فوج کو چھوڑ کر دوسری فوج سے کوئی شخص جا ملے۔ پس سزائے قتل بھی مذہبی عقاید کو بدلنے کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ ان حالات کے پیش آنے سے پہلے تبدیلیٔ مذہب پر کوئی ایسی سزا نہ دیجاتی تھی بلکہ یہ ان حالات کی بنا پر تھی جو اب پیش آگئے تھے ایک مسلمان جب اہل اسلام کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملتا تو وہ ایک خطرناک جاسوس کا کام دے سکتا تھا اور ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ وہ قتل کیا جاتا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور ایسی سزا کو کوئی شخص بے رحمی یا ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بالکل منصفانہ اصول پر مبنی ہے۔ اور آج بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آدیں تو وہ یقیناً ایسی ہی کارروائی کریگی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ اس حکم کا اجرا اور رنگ کے حالات کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان امن کی حالت میں رہتے تھے۔ یعنی جنگونکا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ تو اسوقت اس قسم کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی شرائیط میں جو یہودیوں وغیرہ دیگر باشندگان یثرب کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ایسا ہی اس صلحنامہ کی شرائیط میں جو حدیبیہ پر کیا گیا۔ قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جنگوں کے نہ ہونے یا جنگوں کے التوا کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے قتل کو جایز نہیں رکھا کیونکہ ان میں ایسی شرائیط موجود ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے مرتدین کے قتل کا حکم صرف اس صورت میں دیا جب قتل کے وجوہات کسی اور بنا پر پیدا ہوئے اور محض ارتداد کو موجب قتل قرار نہیں دیا۔

قتل مرتدین کا ایک ہی واقعہ معتبر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔ عن انس قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینۃ فامرھم ان یاتوا ابل الصدقۃ فیشربوا من ابوالھا والبانھا۔ ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتھا واستاقوا الابل فبعث فی آثارھم فاتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمل اعینھم ثم لم یحسمھم حتّٰی ماتوا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیے گئے۔ وہ پہلے مسلمان ہوئے اور انکی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر یہ احسان کیا کہ صدقہ کے اُونٹوں کا دودھ پینے کے لیے انکو اجازت دی جب وہ تندرست ہوئے تو انہوں نے بجائے شکر گذاری کے یہ کیا کہ اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور سب اونٹوں کو لے گئے۔ اب انکا جرم ڈاکہ زنی اور قتل تھا اور آج بھی اس جرم کے مرتکب کو سزائے قتل

ہی دیجاتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبدیل مذہب کی سزا نہیں دی بلکہ انکی ڈاکہ زنی اور قتل کی جرائم پر وہ سزا دی جو آج کوئی مہذب گورنمنٹ دے۔ وہ مرتد بھی تھے مگر ارتداد کے ساتھ انکے اور جرائم تھے جنہوں نے انہیں سزائے قتل کا مستوجب کردیا۔ پس اسے مرتدین کے قتل کی مثال نہیں کہہ سکتے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اسی وجہ سے اسے مرتدین کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ کے نیچے ذکر کیا ہے۔ اور پہلے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنی تائید میں لائے ہیں۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ یعنی ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ ہے کہ انکو قتل کردیا جاوے یا صلیب دیجاوے یا انکے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے کاٹ دیئے جاویں یا انکو جلاوطن کردیا جاوے۔ اسجگہ بھی قرآن کریم نے ایک صورت معافی کا ذکر کیا ہے۔ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس صورت میں قتل کا حکم دیا تو وہ قرآن کریم کی اس آیت کے حکم کے نیچے تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کے حکموں کے مطابق ہی حکم دیتے تھے۔ ضرور تھا کہ اگر ان لوگونکو انکے ارتداد کی وجہ سے سزا دیجاتی تو آیت بھی کوئی اسی قسم کی پیش کیجاتی جسمیں مرتدین کا ذکر ہوتا۔ نہ کہ محاربین کا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سزا انکے محاربہ کی وجہ سے تھی نہ ارتداد کی وجہ سے۔

کوئی اور معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ محض ارتداد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی شخص کے قتل کیے جانیکا حکم دیا ہو۔ مشکوٰۃ میں جس میں بعض وقت کم معتبر روایتیں بھی لے لی جاتی ہیں اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر

نہیں پایا جاتا۔ برخلاف اس کے بخاری میں بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جہاں کسی صحابی نے کسی شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ ہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا پایا جاتا ہے جس کا ذکر اس بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے وہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کا بڑا حصہ کہا جاتا ہے کہ مرتد ہوگیا تھا اور ان سب پر حضرت ابوبکرؓ نے چڑھائی کی مگر بخاری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی ان لوگوں پر چڑھائی کی وجہ انکا ادائگی زکوٰۃ سے جو ایک قسم کا مالی ٹیکس تھا انکار کرنا تھا جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ پر اعتراض کیا کہ کیوں ان لوگوں پر چڑھائی کیجاتی ہے تو آپ نے جواب دیا۔ واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسوجہ سے انسے جنگ نہ کیا تھا کہ وہ مرتد ہوگئے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کے دینے سے انکار کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے پس اس مثال کو قتل مرتدین کے جواز میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

یہانتک ہم نے اُن احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ احادیث معتبرہ میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کرنیکا حکم دیا ہو۔ لیکن ایک حدیث میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا من بدل دینہ فاقتلوہ۔ یعنی جو شخص اپنے مذہب کو تبدیل کرے اسے قتل کر ڈالو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معنے لینے میں کچھ نہ کچھ قید لگانی پڑیگی ورنہ ہر ایک تبدیلی مذہب کی خواہ کسی مذہب سے کسی مذہب میں ہو

سزا قتل ہونی چاہیئے۔ گویا عموم معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور تخصیص کرتے وقت ہمیں ان حالات کو ضرور مدّنظر رکھنا پڑے گا جن کے ماتحت یہ حکم دیا گیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم بھی قریباً قریباً آخری زمانہ کا ہے کیونکہ اسکے راوی حضرت ابن عباس ہیں جن کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اسلام کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا۔ اور ایسے حالات پیش آچکے تھے جن کے ماتحت ایسے حکم کا دیا جانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ یہ صورت جیسا کہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں محض ارتداد کی وجہ سے قتل کی نہ تھی بلکہ لڑائی کے سلسلہ کے سبب سے ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر انکے دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ پس حفاظت خود اختیاری کی ضرورت نے ایسے لوگوں کے قتل کو جائز کر دیا اور وہی یہ ضرورت تھی جسنے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ یہ حکم خاص حالات جنگ کے لحاظ سے دیا گیا تھا ہم کافی طور پر اوپر دے چکے ہیں۔ اسی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ایسی نہیں ملتی جس میں آپنے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کیے جانیکا حکم دیا ہو بلکہ آپکے معاہدات اور آپکے صلحناموں میں ایسی شرایط پائی جاتی ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے معنے کرنے میں ہمیں آپکے ہی فعل کو دیکھنا چاہیئے۔ اور اس لیے معنوں کی تخصیص کرنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جیسے کہ اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن حالات کے ماتحت کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسی قید معنوں پر نہ لگائی جاوے تو حدیث من بدل دینه فاقتلوہ خود قرآن کریم کے معارض ٹھہرتی ہے اس لیے ہم مجبور ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کی عمومیت میں کوئی تخصیص کریں۔

ایک سوال اسجگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حکم من بدل دینہ فاقتلوہ میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ عورتیں عموماً جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں سوائے اس کے کہ زخمیوں کے علاج اور مرہم پٹی کے لیے جاویں۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل کرنیکی ممانعت کردی تھی۔ اس مناہی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں اس غرض سے نہ تھیں کہ وہ لوگوں کو بجبر مسلمان بناویں کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو عورتوں کے قتل کرنے سے کیوں روکا جاتا۔ بلکہ آپ کی غرض چونکہ صرف مسلمانوں کی کفار سے حفاظت اور مجرموں کو سزائیں دینے کی تھی اس لیے آپنے عورتوں کے قتل سے روکدیا کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ مرتد عورت کی صورت کافر عورت کیطرح ہے۔ اور چونکہ کافر عورتوں کے قتل سے روکنے کی وجہ انکا جنگوں میں شریک نہ ہونا تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ مرتد عورتیں اس مناہی میں شامل نہ ہوں جو دوسری عورتوں کے لیے تھی۔ کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ مرتدین کے قتل کی وجہ صرف انکا جنگوں میں شریک ہونا تھا نہ کہ ارتداد۔ فقہاء میں اس امر پر بحث ہوئی ہے اور دو فریق ہوگئے ہیں ایک فریق کے نزدیک مرتدہ کا قتل جائز نہیں اور دوسرے کے نزدیک مرتدہ بھی مثل مرتد کے قتل ہونی چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ فریق اول میں ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوے کی تائید میں ایک آدھ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ فریق اول ابن عباس کی اس حدیث کو معتبر ٹھہراتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ عورتیں جب مرتد ہو جائیں تو انکو قتل مت کرو۔ اور ساتھ ہی اسکے ابن الطلاع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے کسی مرتد عورت کے قتل کرنیکا حکم دیا تھا۔ فریق ثانی دار قطنی کی ایک حدیث پر اپنے دعوے کا سارا دار ومدار رکھتا ہے جس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتد عورت کے قتل کیے جانیکا

حکم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث جسکو فریق اول نے قبول کیا ہے وہ بھی دارقطنی کی ہی حدیث ہی۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح تسلیم نہیں کی جاسکتیں سوائے اس صورت کے کہ دوسری حدیث میں یہ سمجھا جاوے کہ جس مرتدہ عورت کے قتل کرنیکا حکم آپنے دیا اسکا کوئی اور جرم بھی سوائے ارتداد کے ہو جسکی سزا اسے دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں اسکا تذکرہ نہیں ہے مگر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی امر ضرور ہوگا جو محفوظ نہیں رہا کیونکہ حدیث میں تفصیل اس قصہ کی کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو قبول نہ کیا جاوے تو پھر دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرانا پڑیگا۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسکی تائید میں اور بہت سے امور پائے جاتے ہیں حالانکہ دوسری حدیث کی تائید اور کسی طرح پر نہیں ہوتی۔ حدیث اول کی تائید میں ایک تو ابن الطلاع کی تحقیق ہے۔ اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم جس کی رو سے آپنے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر حکم من بدل دینہ فاقتلوہ کو عام سمجھا جاتا ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں تو نہی قتل النساء بھی عام ہے جو کافر اور مرتد عورتوں پر یکساں حاوی ہے۔ مگر درانحالیکہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ من بدل دینہ فاقتلوہ عام حکم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن شریف سے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ عملدرآمد سے اسکا تطابق کرنیکے لیے اسکو مقید اور مخصوص کرنا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں عورتیں خود اس سے الگ ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ جنگوں میں شریک نہ ہوسکتی تھیں اور یہ حکم عین جنگوں کے وقت میں دیا گیا۔ اور قتل نساء کی نہی سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جن وجوہ پر کافر عورتوں کے قتل کی ممانعت کی گئی انہی وجوہ پر مرتد عورتیں بھی قتل کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔ اگر اسلام کی لڑائیاں بجبر دین پھیلانیکے لیے سمجھی جاویں تو اس صورت میں بیشک یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مرتد عورتیں بھی قتل ہونی چاہییں مگر سوائے اس کے

کوئی صورت نہیں کہ مرتد عورتوں کے قتل کو جائز رکھا جاتا۔ پس ان تمام دلایل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد عورت کو کسی صورت میں قتل کیے جانیکا حکم نہ تھا۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرتدین کے کون کون سے حقوق تلف ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ قتل کا حکم اگر دیا گیا تو خاص حالات کے ماتحت اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا اسوقت دیا گیا۔ اگر اس قتل کے حکم سے علیحدہ مرتدین کے حقوق پر کچھ اثر پڑتا تو ضرور تھا کہ اس کی مثال یا اس کے متعلق کوئی ہدایت احادیث میں مذکور ہوتی کیونکہ ارتداد مدینہ میں آکر شروع نہیں ہوا بلکہ بعض لوگ مکہ میں بھی مرتد ہوئے اور ایک شخص حبش میں جاکر بھی مرتد ہوگیا تھا۔ اور ایسا ہی مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جب یہودیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ ایک معاہدہ ہوگیا تھا ارتداد کی مثالیں پائی جاتی ہیں مگر کسی حدیث سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ انکے کوئی خاص حقوق زائل ہوجاتے تھے۔ کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ عورت یا خاوند کی ارتداد سے محض ارتداد کی وجہ پر نکاح ٹوٹ کر خاوند اور عورت میں علیحدگی واقع ہوجاتی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب ایک شخص واجب القتل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر وہ بھاگ کر دشمن سے جا ملے تو اسکے تمام حقوق زائل ہوجائیں گے اور قانونی طور پر اسے مقتول ہی سمجھا جائیگا۔ اور جہاں ایک طرف اسکو مرا ہوا قرار دیتے ہے اس سے اس کے حقوق زوجیت باقی نہ رہیں گے ایسا ہی اسکے حقوق ملکیت بھی زائل ہوکر اس کی جایداد کے وارث دوسرے لوگ ہوجائیں گے۔ مگر یہ ارتداد کے اصلی نتایج نہ تھے بلکہ اصل نتیجہ ارتداد کا قتل قرار پاکر ان حقوق کا اتلاف اس صورت میں واقع ہوتا تھا جب قتل درحقیقت کسی روک کی وجہ سے جیسا مجرم کے بھاگ جانیسے واقع نہ ہوسکے اور اس لیے مجرم کو مقتول کے حکم میں سمجھا جائے۔ بالفاظ دیگر اس کی کوئی مثال نہیں کہ مرتد امن سے مسلمانوں کے درمیان

رہے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت قطعی طور پر مسلوب ہو جائیں ۔ بلکہ حقوق اسی وقت سلب ہوتے تھے جب یا تو مجرم واقعی قتل ہو جائے اور یا قانونی طور پر اسے مقتول قرار دیا جاوے اور وہ محض بھاگ کر اپنی جان بچالے۔ پس سلب حقوق قتل یا قتل کے فتوے کا نتیجہ تھا اور جس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھا گیا۔ اس کے حقوق بھی تلف نہیں ہوئے چنانچہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو واجب القتل سمجھ کر اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ انکو قتل تو نہیں کیا گیا مگر انکے حقوق زوجیت وملکیت زائل کر دیے گئے۔ نہ ہی کسی اور حدیث میں ایسا ذکر ہے کہ ایک شخص کو ارتداد کی وجہ سے واجب القتل تو نہ سمجھا گیا ہو مگر اس کے حقوق زائل کر دیئے گئے ہوں ۔ (باقی آیندہ)

نوٹ:۔ میں اس سارے مضمون کو ایک ہی رسالہ میں ختم کرنا چاہتا تھا مگر ایک نہایت ضروری مضمون کی وجہ سے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے باقی حصّہ کو جو فقہ کے متعلق ہے آیندہ رسالہ تک ملتوی کرنا پڑا ہے۔ (ایڈیٹر)

حیاتُ الانبیاء فی وفاتُ الانبیاء

(مرقومہ مولوی سید محمد احسن صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

امابعد ناظرین پر واضح ہو کہ جب بتاریخ ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء روز شنبہ مطابق ۲۴

ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ ہجری وقت ۱۰ بجے صبح کے توفی حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود و مہدی معہود کی بمقام لاہور محلہ احمدیہ میں واقع ہوئی تو مخالفین معاندین کی طرف سے ایسا شور و غل مشعر فتنوں اور فسادات کا برپا ہوا کہ جنگل کے درندے اور شہر کے کتوں سے بھی ایسا شور و غل بعید ہے باوجودیکہ اس مدت بعثت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے ہر طرح سے اتمام حجت ہو چکا ہے اور کوئی دقیقہ علی منہاج النبوۃ ثبوت حقیت سلسلہ احمدیہ کا باقی نہیں رہا دیکھو اس علم کی کتب مصنفہ شایع شدہ کو حتیٰ کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات شریف بھی اُسی منہاج نبوت سے واقع ہوئی جس طرح سے کہ ایسے مامورین اولوالعزم کی وفات واقع ہوا کرتی تھی صدق اللہ تعالے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا چونکہ بعض ایسے لوگوں پر جو منہاج نبوۃ سے خبردار نہیں ہیں اُنپر یہ وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کی اپنے غیر وقت میں واقع ہونیکے ساتھ شاید مشتبہ ہوگی لہٰذا اُنکے وساوس اور شبہات کے رفع کرنیکے لیے یہ چند سطور لکھی جاتی ہیں اول ان دو مقدموں کو یاد رکھنا چاہیئے جنکا ثبوت نصوص بینہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔

مقدمہ اولے واضح ہو کہ بعثت انبیاء کی چونکہ واسطے انقیاد اور فرمانبرداری اوامر و نواہی اللہ تعالی کے ہوا کرتی ہے اس لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ امتحان اور جانچ مخلصین کی غیر مخلصین سے واضح طور پر واقع ہو جاوے تاکہ تمیز تام بین المومنین والمنافقین حاصل ہو یہ مقدمہ اگرچہ بدیہی ہے لیکن واسطے تنبیہ کے کچھ لکھا بھی جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ۰ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین پ۲۰ یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف زبان کے کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیے جاوینگے اور اُنکو آزمایا نہ جاویگا اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو اُنسے پہلے ہو گذرے ہیں یعنی یہ سنت اللہ قدیم سے جاری ہے اور چلی آتی ہے پس اللہ تعالےٰ

اُن لوگوں کو بالضرور متمیز کرکے رہیگا جو ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور اُن صادقوں سے علیحدہ کر دکھائیگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود انبیاء کی بھی ایسے ایسے ابتلاؤں سے جانچ فرمایا کرتا ہے جن میں غیر انبیاء کا ثابت قدم رہنا بہت دشوار ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن یعنی اور یاد کرو یا یاد دلاؤ اُسوقت کو کہ جب ابراہیم کے ربنے ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا اور اُنہوں نے اُنکو پورا کر دکھایا۔ اس بارہ میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں جیساکہ فرمایا گیا ہے انما بعثتک لابتلیک وابتلی بک الناس ازالۃ الخفا یعنی اے محمد صلعم میں نے تجھکو جو رسول کرکے بھیجا ہے مجھ کو تیرا صبر و استقلال اپنی فرمانبرداری میں ظاہر کرنا بھی منظور رہے اور دیگر بندگان الٰہی کی آزمائش اور جانچنا بھی میرا مقصود ہے۔ اس مقدمہ کے اثبات کے لیے نصوص شرعیہ اسقدر موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو لکھا جاوے تو ایک بڑا رسالہ ان دو مقدموں کے بیان میں طیار ہو جاوے مگر یہاں پر اس مختصر پر اکتفا کیا گیا کیونکہ آیندہ بھی جو بیان آویگا وہ بھی سب اس مقدمہ کا مثبت ہوگا۔ اور عند العقل بھی کھوٹے اور کھرے ہر ایک مال میں تمیز کرنا ضروریات سے ہے۔

مقدمۂ ثانیہ جبکہ اللہ تعالیٰ کو بعثت کسی پیغامبر کی واسطے اصلاح عالم کے اور دفع کرنے اُن مفاسد کے جو دنیا میں عالمگیر ہو جاتے ہیں منظور ہوتی ہے اور علم الٰہی میں اُن سب تفاصیل اصلاحیہ کی صورتیں متعین اور معلوم ہوتی ہیں جو اُس کی ابتدائے بعثت سے انتہائے بعثت تک مقصود الٰہی ہوتی ہیں کہ اس اس طرز سے فلاں فلاں وقت میں اپنے اپنے زمانہ میں واقع ہونگی۔ مگر چونکہ بمقتضائے حکمت الٰہی کے اُس پیغمبر کی عمر دنیوی اُن تمام اصلاحوں کی تکمیل کے لیے کافی اور وافی نہیں ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ اُس کے جانشینوں سے اور نیز اُس کی جماعت کے ہاتھوں سے وہ تمام باقی اصلاحیں مکمل کرا دیتا ہے جو علم الٰہی میں اس کی بعثت سے مقصود ہوتی ہیں لہذا اُس جانشین کی نسبت کلام الٰہی اور نیز نبی ؐ کے کلام میں اشارات بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور یہی

سنت اللہ ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہما السلام کے جانشینوں میں بھی پائی جاتی ہے اور خود آنحضرت صلعم کے جانشینوں میں تو قیامت تک پائی جاویگی قرآن مجید میں بکثرت اس کے شواہد موجود ہیں مثلاً کما قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیداً الخ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وہ ہے جس نے اپنے رسول کو تمام ہدایات اور دین حق (جسکی حقیت دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے) دیکر بھیجا ہے تاکہ اُس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ اور آپکی حقیت رسالت اور دین اسلام کی صداقت کے ثبوت کیلیے اللہ تبارک تعالیٰ کی گواہی بس ہے جو آگے آیات میں مذکور ہوتی ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں دین اسلام کا غلبہ و اظہار تمام ادیان پر واقع نہیں ہوا تھا چنانچہ روم روس فرنگ افریقہ شام مصر اور حبشہ وغیرہا میں نصرانیت بڑے زور سے پھیلی ہوئی تھی۔ اور خراسان توران ترکستان زابلستان اور باختر وغیرہا میں مجوسیت شدت کے ساتھ تھی علیٰ ہذا القیاس یہود ہنود اور صابئین وغیرہم بھی اُس وقت کے اہل اسلام کی نسبت دولت و شوکت میں زیادہ تر موجود تھے۔ ہاں پھر خلفائے ثلثہ کے وقت میں بہت جلد یہ سب ادیان و اہل ادیان مغلوب مقہور ہو گئے جن کے مغلوب ہونے سے اُنکے ادیان بھی مغلوب ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم کی حیات میں ان فتوحات میں سے کوئی فتح واقع نہیں ہوئی جو موعود تھی۔ پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی شہادت کو یوں بیان فرماتا ہے کہ آپکے اصحاب اور مریدین کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جو از روئے اپنے اعتقاد اور اخلاق اور اعمال کے دین اسلام کو سب ادیان پر غالب کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دین اسلام بتدریج اپنے اُس انتہائی مرتبہ کمال کو پہنچ جاویگا جو علم الٰہی میں آنحضرت صلعم کی بعثت سے مقصود اور موعود ہے دیکھو آگے کی آیات کو۔ اور پھر یہ بھی اشارہ فرماتا ہے کہ یہ سلسلہ ترقیات دین اسلام کا صحابہ کرامؓ ہی تک محدود نہیں ہے

م اور اس کا نام دوسرے لفظوں میں حیات ابدی یا حیات النبی ہے ۔م

بلکہ آیندہ قیامت تک یہ ترقیات جاری رہیں گی کہ وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات منہم مغفرۃ و اجراً عظیماً یعنی جو لوگ صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ایمان لاویں گے اور اعمال صالحہ بھی مثل انکے بجالاویں گے اُنکے لیے بھی یہی وعدہ الٰہی ہے کہ انکی کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ ڈھانک دیویگا اور اجر عظیم دین و دنیا میں انکو مرحمت فرمادیگا۔ واضح ہو کہ جملہ مفسرین نے جو اس آیت لیظہرہٗ علی الدین کلہ کو پیش گوئی قرار دیکر وقوع اُس کا بزمانہ مسیح موعودؑ ٹھہرایا ہے اسکا سر یہی ہے کہ جو سلسلہ ترقیات دین اسلام کا جو آنحضرت صلعم کی ابتدائے بعثت سے انتہا تک اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا وہ صرف آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی پورا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا بلکہ وہ سلسلہ ترقیات کا زمانہ بعثت مسیح موعودؑ تک منتہی مانا گیا ہے اور پھر مسیح موعودؑ کی ابتدائی بعثت سے لیکر قیامت تک جاری رہے گا جسکی میعاد اُسی علیم و خبیر کے علم میں ہے و لنعم ما قیل کم ترک الاول للاخر۔ ان دونوں مقدموں کو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ جسقدر وساوس اور شبہات مخالفین کے حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کی وفات پر مخالفین وارد کرتے ہیں ان دونوں مقدموں سے وہ سب کے سب ھباءً منثوراً ہو جاتے ہیں کیونکہ مابہ الامتیاز درمیان مامورین اور کاذبین کے یہی ایک امر ہے۔

اب ہم اولاً ان ہذیانات کا جواب دیتے ہیں جو کانے دجال نے اپنے خط موسوم حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھے ہیں وہی ہٰذہ کہ آپ مرزا کے تبصرہ اور ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء والے اشتہار مباہلہ پر بھی غور فرمالیویں جسکی پیشانی تھی خدا سچے کا حامی ہو الخ اقول۔ مباہلہ تو غلط مگر اسکا جواب میں ہم یہاں پر ایک آیت پیش کرتے ہیں جس سے تمام شبہات کانے دجال کا قلع و قمع ہو جاویگا قال اللہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً

وسیجزی اللہ الشاکرین یہ آیت کریمہ جنگ اُحد میں نازل ہوئی تھی جو ۳ سنہ
ہجری کے ماہ شوال میں واقع ہوئی تھی اب معترض سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جو
فتوحات موعودہ جو آنحضرت صلعم کی آخر حیات تک سات آٹھ سال میں واقع ہوئیں اور شوال
۳ سنہ ہجری تک وہ واقع نہیں ہوئی تھیں معہذا آنحضرت صلعم کی موت یا قتل کو اللہ تعالے
۳ سنہ ہجری میں منافی نبوت قرار نہیں دیتا اور فرماتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم جو اللہ تعالی کے
رسول صادق ہیں بالفرض اگر وہ فوت بھی ہو جاویں حتّٰی کہ اگر قتل بھی کیے جاویں تو
کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل صداقت دین اسلام سے اُلٹے پھر جاؤ گے یعنی تمکو ہرگز ہرگز
اُسکی صداقت رسالت سے پھرنا نہیں چاہیئے انقلبتم میں جو استفہام انکاری ہے اُسکی
تاکید انکاری اہل عربیت پر ظاہر ہے کہ فلا تنقلبوا صیغہ نہی سے بھی بڑھ کر ہے پھر
اب سوال یہ ہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ ایسی موت یا قتل کو جو قبل پورے ہونے اکثر
پیشگوئیوں مخبر صادق کے واقع ہو جاوے منافی صداقت نبوت کے قرار نہیں دیا گیا؟
الجواب حکمت اُس میں یہی ہے کہ جب کسی رسول کی صداقت آیات بینات سے کالشمس
فی نصف النہار ثابت ہو جاوے (جیسا کہ آپکی حالت مکی اور حالت مدنی سہ سالہ
میں صداقت آنحضرت صلعم کی ثابت ہو چکی تھی) تو اب اُس صداقت سے بسبب موت
یا وقوع قتل کے پھر جانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص شمس نصف النہار کے طلوع سے انکار کر بیٹھے یا
پانی کو کیچڑ ہی کہتا رہے جبکہ غلیظ بادل کے آجانے یا گرد باد یعنی آندھی کے اٹھنے سے یا پانی میں تلچھٹ کے اٹھنے سے تاریکی
چھا گئی ہو جو ہرگز ہرگز کسی اہل عقل سے یہ انکار وقوع میں نہیں آسکتا کما قال تعالے فما
ذا بعد الحق الا الضلال کیونکہ بموجب مقدمہ اولی کے اللہ تعالی کو ایسے ابتلاؤں سے
جانچ کرنا اور امتحان لینا صادقین اور کاذبین کا بھی منظور نظر ہوا کرتا ہے اور درمیان
دو نقطوں کے خط مستقیم صرف ایک ہی ہوا کرتا ہے سے دیکھو اسی آیت کریمہ کے اول
میں ان سب امتحانوں کا بہ تصریح ذکر بھی مع اُسکی حکمتوں کے فرما دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو کچھ غم مت کرو اور سستی اختیار نہ کرو کیونکہ اس سے پیشتر تم بھی انکو بہت سے زخم دے چکے ہو اس واسطے الابتلا ہیں زمانہ یکساں نہیں رہتا ہے کبھی رنج ہو جاتا ہے کبھی راحت مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو اور اس شکست ظاہری میں بڑی بڑی حکمتیں ہوا کرتی ہیں مثلاً ایمانداروں کا امتحان اور بعض کو مرتبہ شہادت کا عنایت فرمانا اور جو مسلمان کچھ خطاوار ہوتے ہیں وہ ایسی مصیبت میں پڑکر پاک صاف ہو جاتے ہیں اور جو مخالفین بسبب ایسے ابتلاؤں کے جو مؤمنین پر واقع ہوتی ہیں سخت گستاخ ہو جاتے ہیں اسطرح اپنی پاداش گستاخی میں آکر اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے مٹا دیے جاتے ہیں اور اسوقت غیرت الٰہی ایک نیا رنگ اپنی قدرت کا دکھاتی ہے اور ایسے معاندین پر غیب سے وہ غضب الٰہی نازل ہوتا ہے کہ پھر نام و نشان بھی انکا باقی نہیں رہتا و لنعم ما قیل ؎ ما آبگینہ ایم شویم از شکست تیز آزار یابد آنکہ بود در شکست ما۔ پس ایسے ابتلاؤں کے وقوع سے صادقین کو کوئی اضطراب اور رنج لاحق نہیں ہونا چاہیئے ؎ ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم۔ کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد۔ پھر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم یونہی اس جنت میں (جسکی طرف بلانیکے لیے یہ رسول مقبول مبعوث ہوئے ہیں) چلے جاؤ گے اور معیار امتحان سے نہ آزمائے جاؤ گے الحاصل اس آیت زیر تفسیر سے قبل کی آیات میں ایسے ابتلاؤں اور امتحانوں میں بڑی بڑی حکمتیں بیان فرمائی ہیں ہاں اب اس بیان سے ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اندریں صورت صادق اور کاذب میں پھر بھی تمیز باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ جبکہ صادق کے روبرو مانا کہ بہت سے کاذب مر چکے مگر اس صورت میں کاذب کے روبرو ایک صادق بھی فوت ہو گیا پس ان دونوں میں کامل مابہ الامتیاز باقی نہ رہا تو جواب اسکا خود کلام الٰہی میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ علامت اس صداقت کی جو رسول لایا ہے یہ ہے کہ جو کوئی ایسی صداقت سے پھر جاویگا اسکا پھر جانا اس صداقت الٰہی کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا کہ و من ینقلب علےٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً بخلاف باطل اور کاذب کے کہ وہ تو رفتہ رفتہ خود بخود فنا ہوتا چلا جاویگا کما قال اللہ تعالےٰ

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا اور جو لوگ جماعت حقہ کے اس نعمت صداقت کا جو رسول لایا ہے شکر بجالاوینگے یعنی اپنی جان و مال اور حال وقال سے اُسکی تائید میں مصروف رہیں گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں قریب تر انکو جزائے نیک جسکا وعدہ کیا گیا ہے عنایت فرماویگا کہ و سیجزی اللہ الشاکرین ایضاً و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ اور یہی مقدمہ ثانیہ کا مقتضا ہے پس ایسی موت منافی صداقت نبوت کے نہیں ہوسکتی بلکہ یہی حیات ابدی ہے یعنی اس آیت کو بعد وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء بروز محمدیؐ کے درجواب شبہات مخالفین کے اس لیے لکھا ہے کہ ؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں۔ کیونکہ بعد وفات حضرت خاتم النبیین صلعم کے حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ایسے ہی شبہات کے دفع کرنیکے لیے اسکو تلاوت کیا تھا جیسا کہ کتب صحاح احادیث اور کتب معتبرہ سیر میں مذکور ہے چنانچہ مواہب لدنیہ اور اُسکی شرح زرقانی سے ہم یہاں ملخصاً لکھتے ہیں دیکھو مقصد عاشر جلد ہشتم صفحہ ۳۲۷ کو وھو ھذا۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی وفات کی شہرت مدینہ میں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنی شمشیر برہنہ کرکے تقسم فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلعم وفات پاگئے تو میں اُسکو قتل کر ڈالونگا اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ بیشک جب تک کہ آپ ہاتھ اور پاؤں منافقین کے اور زبانیں اُنکی قطع نہ فرمالیویں گے تب تک آپکی وفات واقع نہ ہوویگی اس اثنا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بلوائے ہوئے تشریف لائے اور آنحضرت صلعم کے چہرہ مبارک سے چادر کو اُٹھایا اور آپکی پیشانی مبارک صلعم پر بوسہ دیا اور روئے حتیٰ کہ آپکے چہرہ پر آنسو ٹپکے اور قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز دو موتیں آپکے لیے اکٹھی جمع نہیں فرماویگا یہ رد اُس قول کا ہے جو کہا گیا تھا کہ آنحضرتؐ دوبارہ زندہ ہوکر ہاتھ اور پیر منافقین کے قطع فرماویں گے اور بعض کا قول دو موتوں کی نسبت یہ ہے کہ ایک موت تو نفس آنحضرت صلعم کی مراد ہے اور دوسری موت آپکی شریعت کی کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ آپکے لیے جمع نہیں فرماویگا

اور حضرت صدیق رض کا یہ قول بھی اس مراد کا مؤید ہے جو آپ نے خطبہ میں بمقابلہ حضرت عمر رض کے فرمایا ہے کہ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رض حضرت عمر رض کو یہ بھی فرمایا کہ اے حلف کرنیوالے ذرا بیٹھو تو مگر حضرت عمر رض نے بیٹھنے سے بھی انکار کیا بعد تکرار و اصرار صدیق رض کے آپ بیٹھ گئے تب حضرت صدیق رض نے حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کی پڑھ کر خطبہ پڑھا اور یہ آیت بھی پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیہ پس خطبہ صدیقی و ذکر صحابہ سنکر رونے لگے اور آنحضرت صلعم کی موت سب کو محقق ہوگئی اور حضرت عمر رض نے بڑی ندامت کے ساتھ اپنے قول سابق سے مع اپنے ہمراہیوں کے رجوع کیا اور حضرت صدیق رض نے اپنے خطبہ میں اس آیت کو بھی پڑھا تھا کہ انک میت وانہم میتون۔ حضرت عمر رض نے اس خطبہ صدیقی کو سنکر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ ہم کو ان آیات سے ایسا ذہول ہوگیا تھا کہ گویا پہلے ان آیات کو ہم نے تلاوت ہی نہ کیا تھا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رض نے آنحضرت صلعم کی موت کو غشی شدید تصور فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت عمر رض نے آنحضرت صلعم کے پاس جاکر دیکھا تو فرمایا کہ وا غشیاہ اور جب مغیرہ بن شعبہ ہمراہی نے کہا یا عمر مات رسول اللہ صلعم تو آپ نے حضرت مغیرہ رض کو جواب دیا کہ کذبت غرض حضرت عمر رض کا اجتہاد یہی تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات ابھی واقع نہیں ہوئی اور یہ حالت صرف بیہوشی کی طاری ہوگئی ہے اور آپ خود بنفس نفیس منافقین کو اسی حیات میں سزا دیویںگے اور اپنی امت کے مخلصین کے لیے انکے ایمان و اخلاص کی شہادت ادا کرینگے کما قال اللہ تعالیٰ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ پھر حضرت صدیق رض نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رض نے بھی حضرت

عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی موت اپنے وقت میں واقع ہوئی ہے کہ تمام قواعد
کلیہ شریعت کے اور اصول جنگ و صلح اور نکاح و طلاق وغیرہا کے ہم کو تعلیم فرما دئے ہیں اور تمام طریق
شریعت کے روشن اور واضح کر گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب تعلیم رسول اللہ صلعم کی کامل
ہو چکی ہے کوئی دقیقہ اُس میں باقی نہیں کما قال تعالےٰ اکملت لکم دینکم غرضکہ یہ مناظرہ حضرت شیخین کا باہم ایک
بڑا عظیم الشان مناظرہ ہے جس سے تمام شبہات مخالفین کے جو حضرت مسیح موعودؑ
کی وفات میں وارد کرتے ہیں وہ سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔ دوسری روایت میں
یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے خطبہ میں یہ آیت بھی پڑھی وما جعلنا البشر
من قبلك الخلد افان مت فهم الخالدون۔ اور روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ دوسرے
روز بیعت صدیقی سے حضرت عمرؓ نے اپنے رجوع کا خطبہ بھی پڑھا اور حمد و نعت کے بعد
فرمایا کہ جو قول مینے دیروز تم سے کہا تھا اُسکو بخدا مینے نہ کتاب اللہ میں پایا اور نہ کسی ایسے
معاہدہ میں پایا جو رسول اللہ صلعم نے مجھ سے کیا ہو لیکن مجھ کو یہ امید تھی کہ ہم رسول اللہ
صلعم سے پہلے وفات پا جاوینگے اور آپکی وفات ہم سے آخر کو واقع ہوویگی لیکن اللہ
تعالیٰ نے اُن امور پر جو تمھارے نزدیک بہتر تھے اپنی مصلحتوں کو پسندتر فرمایا اب یہ
قرآن مجید تمھارے پاس موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی ہدایت فرمائی
ہے لہٰذا تم اسی کو پکڑ لو اور اُسی پر عمل کرو تاکہ ہدایت صراط مستقیم کی پاؤ یعنی اُس
راستہ کی ہدایت جسکی ہدایت رسول کریم نے کی ہے تب تم اُسکے وارث قرار پاؤ گے آخر تک
اب ناظرین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا آپکے نزدیک حضرت عمرؓ جنہوں نے تمام قوانین
اسلام کو کتاب و سنت سے استنباط فرما کر ایک بڑی خلافت اور سلطنت اسلامیہ قایم کی ہے وہ دیوانہ
یا مجنون تھے جو اس تشدد کے ساتھ قتل کلمہ گویوں کے لیے آمادہ ہو گئے بھید اس میں یہی تھا
کہ بعض ایسی پیشگوئیاں مخبر صادق کی موجود تھیں جنکا وقوع حضرت عمرؓ کے اجتہاد میں
آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں ضروری تھا مگر بحکم نہیں دو مقدموں مذکورہ کے اپنے اس قول

سے ندامت کے ساتھ رجوع فرمایا دوستو یاد رکھو کہ سے نقد حال خویش را گر پے بریم۔
ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم ۔ بروز محمدیؐ کی وفات بھی اُسی شان سے واقع ہوئی ہے جس طرح کہ خاتم النبیین کی وفات
اب واضح ہو کہ اشتہار ۱۶۔ اگست سنہ ۱۹۰۶ء کی عبارت الہامیہ میں کوئی جملہ ایسا مذکور
نہیں ہوا جس میں یہ ذکر صراحتاً ہو کہ کانا دجال عبد الحکیم خاں ...... میرے روبرو مرجاویگا
اور میں اُس کے روبرو نہیں مرونگا بلکہ یہ عبارت ہے کہ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور
علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں"۔ کیا آنحضرت صلعم جو
سید المرسلین ہیں مقبول اور سلامتی کے شہزادے نہیں ہیں؟ جو مسیلمہ کذاب کی
حیات میں ہی وفات پا گئے اور اکثر وعدہائے فتوح موعودہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے
آپکے نائبوں کے ہاتھ سے واقع ہوئے چنانچہ اس امر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک
میں متعدد مقامونپر بیان فرمایا ہے پارہ یازدہم رکوع دہم میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ
واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعہم ثم اللہ
شہید علیٰ ما یفعلون آیۃ انعام میں بھی یہ آیت موجود ہے یعنی اور اگر ہم تجھ کو
دکھا دیویں بعض اُن وعیدوں کو جنکا ہم اُنسے وعدہ کرتے ہیں یا قبل اس کے تجھ کو
وفات دیویں تو دونوں امر برابر ہیں کیونکہ انکا رجوع تو ہماری ہی طرف ہے تو وہاں
بھی آپ دیکھ لوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود گواہ ہے اُن کامونپر جو وہ کر رہے ہیں۔ اس آیت
کریمہ سے بخوبی ثابت ہے کہ رسول صادق کے مخالفین کے لیئے جو وعیدیں ہوا کرتی
ہیں وہ بعد اُسکی وفات کے بھی اُسکو دکھائی جاتی ہیں اُسکی دنیاوی حیات ہی میں اُن
سب کا دکھانا کچھ ضروری نہیں ہوتا ہے اور پارہ ۱۳ رکوع ۱۲ میں یوں ارشاد ہوا ہے
وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلاغ
وعلینا الحساب اولم یروا انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا واللہ
یحکم لا معقب لحکمہ وھو سریع الحساب۔ یعنی اے پیغمبر جو وعیدیں ہم مخالفین

کے لیے کرتے ہیں اگر ہم تمھاری حیات ہی میں تمکو دکھلا دیویں یا اُن بعض وعیدوں کے
پورا ہونیسے پہلے ہم تمکو وفات دیدیویں بہر حال تمھارے اوپر اُنکا پہنچا دینا ہی تمھارا کام ہے
اور اُن مخالفین سے حساب لینا یعنی اُنکو سزا دینا ہمارا کام ہے اور کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں
دیکھتے ہیں کہ دباؤں سے اور نیز فتوحات سے ہم ملکوں کو سب طرف سے دباتے چلے آتے ہیں یعنی
ہر ایک ملک میں تخم ریزی سلسلہ حقہ کی کردی ہے اور حکم تو سب اللہ ہی نافذ کیا کرتا ہے اُس کے
حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور وہ تو بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور پھر پ ۲۴/۱۳ میں ارشاد
ہوتا ہے کہ فاصبران وعد اللہ حق فاما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک
فالینا یرجعون یعنی اے پیغمبر تم صبر سے بیٹھے رہو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو
سچا ہی ہے ہاں جو وعیدیں ہم مخالفین سے کرتے ہیں اُنہیں سے کچھ تو تمکو دکھا بھی دیویں گے
یا اُن وعیدوں کے پورا ہونیسے پیشتر ہم تمکو وفات دیدیویں گے بہر کیف اُنکو ہماری ہی
طرف لوٹ آنا ضروری ہے یعنی ہم اُنکو بعد تمھاری وفات کے بھی سزا دے سکتے ہیں اور ہمارے
نزدیک تو دونوں صورتیں برابر ہیں اور تم بھی تو درصورت توفی کے اے رسول مقبول
ہمارے پاس آؤ گے تو تم بھی اپنی وفات کے بعد وہ سب وعد وعید دیکھ سکتے ہو یہ آیت الہام
حضرت اقدس میں بتکرار وارد ہو چکی ہے چونکہ بہت سے وعد اور وعید بعد وفات کے پورا ہونے میں طرح
طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں کہ اول تو امتحان اور جانچنا ہے اور دوسرے تمیز کرنا
بین المخلصین و المنافقین کما قال اللہ تعالیٰ ما کان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما
انتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطیب۔ یعنی سے ضعیف الایمان والو اللہ تعالیٰ
ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو خبیث و طیب کی تمیز کیے بدون اُسی حال پر مومنین
کو چھوڑ دیوے۔ تیسرے یہ کہ جانشینوں اور دوسرے مومنین کو بسبب اُنکی کوششوں اور
سعیوں کے مدارج عالیہ عطا فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جملہ
وعد و وعید امور کی حیات ہی میں پورے ہوں اگلے پچھلے انبیاء میں بھی یہی سنت اللہ رہی اور

سید الانبیاء کے وقت میں بھی وہی سنت اللہ ہے۔

ہم یہاں پر واسطے توضیح اور ایضاح مسئلہ وفات مسیح موعود جری اللہ فی حلل الانبیاء کے قصہ مسیلمہ کذاب کا صحیح بخاری اور اُس کی شروح وغیرہ سے ترجمتاً وملخصاً تحریر کرتے ہیں دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۵۱۱ و ۶۲۸ و ۱۰۴۱ مطبوعہ مولوی احمد علی صاحب محشی شرح مرحوم وہی ہذہ کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں مسیلمہ کذاب آپکے یہاں آیا مع اپنی جماعت کے جو اُسوقت مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہوچکا تھا اور قوم بنی حنیفہ میں سے تھا اعمال سحریہ و نیرنجات وغیرہ میں اسکو بڑا دخل تھا اور صنعت انڈے کو شیشہ میں ڈالدینے کی اولاً اسی نے ایجاد کی ہے (کانا دجال بھی بسبب کسب سبق مہارت فنون ڈاکٹری کے اُس سے بڑھکر صنایع بدایع کر جاتا ہے) اور مدت تک بظاہر بیعت میں داخل بھی رہا ہے) اور اُس کے ہمراہ بھی بعد ارتداد کے بہت سے لوگ ہوگئے ہیں جس طرح پر مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہوگئے تھے) اس مسیلمہ کذاب نے مدینہ میں آکر یہ کہنا شروع کیا کہ اگر آنحضرت صلعم بعد اپنی وفات کے مجھ کو خلیفہ مقرر کردیویں تو میں آپکا پورا متبع ہو جاؤنگا کانے دجال نے بھی بذریعہ الہامات شیطانی کے حضرت اقدسؑ کی حیات ہی میں یہ طمع اور حرص کی کہ میں بھی مسیح ہوجاؤں مگر ایسی طمع خام سے کیا ہوسکتا ہے ؎ کلاہ خسروی و تاج شاہی - بہر کل کے سزد حاشا وکلا پھر آنحضرت صلعم بھی اُسکی ملاقات کرنیکے لیے بدیں غرض تشریف لائے کہ اُسکی تالیف قلب اور نیز اُسکی قوم کی تالیف قلب ہوجاوے اور جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اُس کو تبلیغ فرمادیویں (کانے دجال نے بھی درخواست سخت کی حضرت مسیح موعودؑ کے پاس حاضر ہونیکا ارادہ کیا تھا مگر چونکہ اسکی شقاوت مسیلمہ سے بڑھی ہوئی تھی لہذا حاضر نہ ہوسکا تب حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ اخباروں اور اشتہاروں کے جو امر اللہ تھا اُسکو تبلیغ فرمادیا اور اُسپر سب طرح سے اتمام حجت فرمادیا گیا) الحاصل جب آپ مسیلمہ کے پاس تشریف لائے تو آپکے ہمراہیوں میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رض خطیب الانصار کے بھی ساتھ تھے اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں ایک شاخ درخت خرما کی بھی تھی جب آپ مسیلمہ اور اُسکی جماعت کے پاس تشریف لائے تو

آپ نے کھڑے ہی کھڑے یہ تبلیغ فرمائی کہ اگر یہ مسیلمہ مجھ سے اس شاخ خرما کو بھی طلب کریگا تو
میں اُسکو ہرگز یہ شاخ خرما بھی نہ دونگا۔ کانا دجال کے مُنہ میں بھی حرص دنیا کے سبب بہت
سا پانی مُنہ میں بھر بھر آیا اور حضرت مسیح موعوؑد کی فتوحات مالی اور نیز فتوحات الہامی پر سخت
حرص کی لیکن حضرت مسیح موعوؑد نے سوائے زجر و توبیخ کے مثل آنحضرت صلعم کے ایک ذرا
بھر بھی اُسکی طرف التفات نہیں فرمایا اور نبیؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کے بارہ میں جو
کچھ اللہ تعالیٰ کا وعید ہے وہ اُس سے تجاوز نہ کر سکے گا (یعنی ہلاک ہوجاویگا اور اگر میری
اطاعت سے پیٹھ پھیریگا تو ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ اُس کے کوچے کاٹ ڈالے گا اور اسکو ہلاک
کردیگا جسکے الفاظ یہ ہیں ولن تعد وامر اللہ فیك ولئن ادبرت لیعقرنك اللہ)
ان الفاظ اور رؤیا سے بظاہر یہ وہم ضرور ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں وہ ہلاک ہوجاویگا
(جیسا کہ یہاں پر بھی بعض الفاظ الہامی کانے دجال کے بارہ میں ہیں اُنسے بھی کسیقدر یہ مفہوم
ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعوؑد کی زندگی ہی میں کانا دجال ہلاک ہوجاویگا مگر مسیلمہ کذاب
آنحضرت صلعم کی حیات میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں یعنی تخمیناً چھ
ماہ میں ہاتھ سے وحشی قاتل امیر حمزہ کے ہلاک ہوا جسپر وحشی کو یہ فخر تھا کہ اوائل اسلام میں
مینے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اواخر اسلام میں مینے شر الناس کو قتل کیا ہے) پھر آنحضرت
صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسکو مینے اپنی رؤیا میں دیکھا ہے پھر آپؐ فرماکر
واپس مکان کو تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ ثابت بن قیس جو خطیب بلیغ انصار
کے ہیں موجود ہیں جو تو کچھ اور گفتگو کرنا چاہتا ہے تو اُنسے گفتگو کرلے اگرچہ آنحضرت صلعم
اوتیت جوامع الکلم کے مصداق تھے اور آپکی برابر کوئی دوسرا صحابی بلاغت اور فصاحت
میں برابری نہیں کر سکتا تھا مگر اس لیے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بھی اس تبلیغ کا
ثواب حاصل ہو لہٰذا اُنکو ایسا کچھ ارشاد فرمایا (یہاں پر بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے
ایک خطیب مسجد مبارک کیلیے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اسکا جواب شافی و کافی ایسا لکھو کہ پھر اسکو

گفتگو کرنیکی مجال باقی نہ رہی چنانچہ اُس خطیب نے (جو ہی لکھنے والا ہے) اپنے ایک خط
میں کانے دجال کے رد میں ایک مضمون ایسا لکھا ہے کہ ہر ایک امر میں اُسکو ساکت
کر دیا ہے اور خود اقرار کانے دجال کا اپنے سکوت کی بابت اُسی کے دستخطی خط میں لکھا
ہوا موجود ہے) اور آنحضرت صلعم کی خواب جو آپنے مسیلمہ کی ہلاکت کے بارہ میں دیکھی تھی
وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مَیں سو رہا تھا جو مینے یہ رؤیا دیکھا کہ میرے
دونوں ہاتھوں میں دو کنگن سونے کے ہیں رؤیا ہی میں مینے اُنکو بہت مکروہ سمجھا
اور مَیں کسیقدر اُنسے غمگین بھی ہوا پس حالت نوم ہی میں مجھ کو یہ وحی ہوئی کہ اپنے مُنہ
سے ان دونوں میں پھونک مار دو تب مینے اپنے مُنہ سے اُن دونوں میں پھونک
ماری تو وہ دونوں کنگن سونیکے اُڑ گئے اور فرماتے ہیں کہ مینے انکی تعبیر یہ کی کہ انسے مراد
دو کذاب ہیں جو میری نبوت کے بعد ظہور کریں گے اور وہ دونوں عنسی اور مسیلمہ
ہیں (اس عبارت سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں یہ
دونوں کذاب اُڑ جاویں گے کیونکہ اول تو لفظ طیر کا اور ثانیاً لفظ ذہب کا† اُسی سرعت
ہلاکت پر دلالت کر رہا ہے کہ جلد* یہ دونوں اُڑ جاویں گے اور جاتے ہیں گے) اسود
عنسی صنعانی ہے اسکو ذوالخمار بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میرے پاس
ایک فرشتہ چادر اوڑھ کر آیا کرتا ہے یہ اسود عنسی ذوالخمار صحیح تر روایت میں آنحضرت
صلعم کی حیات ہی میں قتل ہوا اور حضرت فیروز دیلمی صحابی نے اسکو قتل کیا ہے (حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے مخالف جو مدعی الہامات کے بڑے زور و شور کے ساتھ
ہوئے ہوں دو ہی کذاب تھے اور دیگر اشخاص انہیں کی ذریات میں سے تھے اول تو
عصائے موسیٰ ہر کہ الٹ پلٹ کر کے صدہا الہامات شیطانیہ کا ذبہ اس میں مندرج کیے گئے
ہیں۔ اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی حیات ہی میں طاعون سے ہلاک ہوا اور دوسرا
شخص کانا دجال ہے جس کی ہلاکت بعد وفات حضرت مسیحؑ کے اللہ تعالیٰ کے علم میں

* آپ کی حیات میں

(دیکھو مواہب الرحمن)

م اور ذوالخمار اس لئے کہتے ہین کہ ایک گدہا اُسکو زیر تعلیم رکھکر کرشمہ دکھاتا تہا + اور خود حضرت کا اپنے موہنہ سے پہونکنا

تھی وتلک عشرۃ کاملہ۔ اور یہ جو تعبیر مذکورہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمائی ہے اسکی وجہ
یہ ہے کہ ساکنین صنعا یمن اور اہل یمامہ اولاً اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس سلیے
یہ دونوں گروہ اسلام کے لیے بمنزلہ دو ہاتھوں کے پونہچوں کے ہوئے اور یہ دونوں
کذاب جنکے اقوال مزخرفہ اور باطلہ تھے بمنزلہ دو سونے کے کنگن کے ہوئے جنکے دغا
اور فریب میں اہالی صنعا اور اہالی یمامہ آگئے پس یہ دونوں شہر بمنزلہ دو ہاتھوں کے
ہوگئے اور ان دونوں کو آنحضرتؐ کے منہ کی پھونک سے اڑ جانے کو انکی ہلاکت بسرعت
سے تعبیر فرمائی گئی یہ تمام قصہ وہ ہے جسکو ہم نے صحیح بخاری اور اس کی شروح سے ملخص
کرکے لکھا ہے جسکو کچھ شک ہو وہ صحیح بخاری مولوی احمد علی صاحب مع حواشی کے
دیکھ لیوے پس تم اس قصہ سے عبرت پکڑو تاکہ بموجب ع نقد حال خویش را گر پے بریم۔
ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم۔ کے فواید دارین حاصل کرو۔

ایہا الدجال الاعور حضرت اقدسؑ کے وہ الہامات جو اشتہار ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء
میں شایع ہوئے تھے وہ ابتک بدستور قایم ہیں اور کوئی الہام ان میں سے منسوخ نہیں
ہوا کیونکہ جو خدا کے مقبولوں میں علامتیں ہوتی ہیں وہ انہیں بعد وفات بذریعہ انکی اولاد
روحانی اور اولاد نسبی کے جسکے وہ علامتیں قبولیت کی اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک
باقی رہیں گی اور سلامتی کی شہزادگی بھی قیامت تک انکو حاصل رہے گی اور جن امور کو بذریعہ
الہامات کے وہ لائے تھے انکے اوپر کوئی غالب نہیں ہو سکتا وجاعل الذین اتبعوک
فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ اور روحانی طور پر تیرے آگے فرشتوں کی تلواریں
کھچی ہوئی ابھی تک موجود ہیں اگر توبہ نہ کرے گا تو مثل مسیلمہ کذاب کے ان روحانی
تلواروں کا منتظر رہ کہ کسی کسیوقت ان تلواروں کے وار تجھ پر وارد ہو جاویں گے اور یہ دعا
اب بھی تو کیجاتی ہے رب فرق بین صادق وکاذب انت تری کل مصلح وصادق
اور جس طرح پر حضرت صدیق رضؓ کے واسطہ سے صادقین اور کاذبین میں اللہ تعالیٰ نے

تفریق فرمادی تھی اب بھی صدیق ثانی کھڑا ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ تو اس تفریق کا پورا اختیار
رکھتا ہے کہ جسوقت چاہے وہ تفریق واقع فرمادیوے۔ آگے رہے تبصرہ کے بشرات
اور منذرات الہام سو واضح رہے کہ الہام انا نبشرك بغلام حلیم ینزل المبارك
منسوخ نہیں ہوا تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم پر محیط نہیں ہوسکتا اول تو حضرت اقدسؑ کے تین
چار صاحبزادے موجود ہیں کیا بعید ہے کہ انہیں میں سے کوئی ایک لڑکا قایم مقام مبارک
کے مبارک ہوجاوے یا ان تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں سے کوئی لڑکا اُسکا قایم مقام
ہو۔ زبان عرب اور نیز دیگر زبانوں کے محاورات میں بیٹوں کی اولاد کو بلکہ پوتوں کی اولاد
کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے قال الشاعر ؎ بنونا بنوا بناء نا و بناتنا۔ بنوھن ابناء الرجال الاباعد
یعنی بیٹوں کی بیٹے ہماری ہی بیٹے ہیں البتہ ہماری بیٹیوں کی بیٹے دوسرے مردونکی
بیٹے ہیں اور دیکھو حضرت ابراہیم کو حضرت یوسفؑ کا باپ فرمایا گیا ہے حالانکہ حضرت
یوسفؑ کا نسب نامہ یہ ہے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم قال اللہ تعالیٰ
کما اتمھا علی ابویك من قبل ابراھیم و اسحاق ان ربك علیم حکیم علم فرائض
میں بھی بصورت موجود نہ ہونے بیٹے کے پوتا قایم مقام بیٹے کا ہوجاتا ہے و قِس علیٰ ھٰذا اور
پیشین گوئی کے پورا ہونیکے یہی اصول ہے کہ جن محاورات عرب کے بموجب وہ
پیشین گوئی پوری ہوجاوے اُسکا صادق ماننا واجب التسلیم ہوجاتا ہے کما سیاتی
تفصیلہ فانتظرہ۔ تُونے تو علم ڈاکٹری بھی پورے طور پر حاصل نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے علم
کے روبرو تیرے علم کی کیا حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض وارد کرتا ہے ؎
محیط است علم ملک بر بسیط۔ قیاس تو بر وے نگردد محیط۔ اور الہام اریحك و لا
اجیحك و اخرج منك قوما بھی بحالہ قایم ہے حضرت اقدسؑ کا خاندان نسبی و
صہری و روحانی و جسمانی اس کثرت سے موجود ہے کہ اس الہام کی صداقت کو کامل طور سے
پورے ہونیکا یقین دلا رہا ہے جو اپنے وقت پر بکمال ظہور پورا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس الہام

کے پورا ہونیکے لیے یہ حیات دنیوی حضرت اقدسؑ کی ضروری نہیں تھی کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ یزید اور اُس کے معاونین معاندین نے خاندان نبوت کے مٹانے کے لیے جان توڑ کوششیں کی تھیں اور وہاں خاندان نبوت حسینی میں سے ذکور میں سوائے ایک نفس واحد حضرت زین العابدین کے کوئی باقی نہیں رہا تھا مگر اُسی ایک نفس واحدہ سے تمام دنیا میں نبی کریمؐ کی اولاد نسبی بھی موجود ہے اور روحانی اولاد کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا پھر یہاں تو بفضلہ تعالیٰ اولاد ذکور اور نیز اناث اور داماد حضرت نواب محمد علیخاں صاحب اور نیز اولاد روحانی بکثرت موجود ہیں پھر کیوں ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرتے ہو اور وفات حضرت اقدسؑ کی باوجود موجود ہونے خلف صالحین کے اس الہام تعمر کے کیونکر مخالف ہو سکتی ہے جیسا کہ انا اعطینٰک الکوثر ان شانئک ھو الابتر باوجود اس کے کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمایا گیا ہے صادق اور پھر صادق ہے کما مر تفصیلہ اور الہام الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل انک بمنزلہ رحی الاسلام اثرتک و اخترتک بھی بحالہ قایم ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم با وجودیکہ مسیلمہ کذاب کی حیات میں ہی وفات پا گئے انا اعطینٰک الکوثر ثابت وصادق ہے اور الہام وینصرک رجال نوحی الیھم من السماء یاتون من کل فج عمیق تو اسوقت میں بعد وفات کے مثل شمس نصف النہار کی پورے طور پر ایسا صادق ہو رہا ہے کہ کوئی اندھا مادرزاد بھی اُسکی تکذیب نہیں کر سکتا جوق درجوق اور فوج در فوج لوگ حضرت اقدسؑ کی نماز جنازہ کے لیے ۲۷- مئی کو قادیان شریف میں حاضر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کرنیکے لیے دُور دراز ملکوں سے اس موسم گرما کی شدت میں روزانہ چلے آتے ہیں اگر کسی کو شک ہو تو قادیان شریف میں حاضر ہو کر دیکھ لیوے ورنہ سٹیشن بٹالہ پر ہی اس نظارہ کو بچشم خود آکر دیکھ صدق اللہ

تعالیٰ و ینصرك رجالٌ نوحی الیھم من السمآء یاتون من کل فج عمیق کیا اس الہام کا پورا ہونا اس شدت اور زور کے ساتھ جو واقع ہوا موجب اخزاء مخالفین اور لعزاز مخلصین کا نہیں ہے صدق اللہ تعالیٰ انی انا ربك الرحمٰن ذو العز و السلطان من عادا ولیالی فکانما خرّ من السمآء انی موجود فانتظر سینالھم غضب من ربھم وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا قد افلح من زکیھا و قد خاب من دسّٰھا قل انی امرت لکم فافعلوا ماتؤمرون الیوم یوم البرکات یاعبداللہ انی معك والضحیٰ واللیل اذا سجی ماودعك ربك وما قلیٰ یہ جملہ جسپر نمبر اوّل لکھا ہے حضرت اقدسؑ کے موجود نہیں پردنیا میں بطور مفہوم مخالف کے دلالت کررہا ہے اور جملہ نمبر دو بھی اُن برکات کی طرف مشعر ہے جو ہزاروں مومنین نے حاضر قادیان ہوکر حضرت اقدسؑ کے چہرہ مبارک کی زیارت پُر بشارت سے اور سانحالیکہ جنازہ مبارک آپکا مکان باغ میں رکھا ہوا تھا برکات کثیرہ حاصل کیں اللّٰھم بارك علیٰ محمّدٍ و علیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اور فقرہ نمبر تین آپکی وفات پر دلالت صریحہ کررہا ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے چہروں پر اُداسی اور تاریکی مثل رات اندھیری کے چھائی ہوئی تھی کما فی الالہام لیکن باایں ہمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ پروردگار نے حضرت اقدسؑ کو چھوڑ دیا ہے اور یا کسی طرح سے وہ اُنسے ناخوش ہوا ہے یہ جملہ اُن مطاعن مخالفین کا رد ہے جو حضرت اقدسؑ کی وفات کو بسبب ناراضی اور ناخوشی اللہ تعالیٰ کی سمجھ رہے ہیں پس اُنکا رد اللہ تعالیٰ نے اول سے اول ہی فرمادیا اور چونکہ ہزاروں آدمیوں نے جنکا شمار معلوم نہیں ہوسکتا قادیان میں حاضر ہوکر آپکے جنازہ کی نماز پڑھی پس یہ کیسی بشارت اللہ تعالیٰ کے فعل سے اُسکی طرف سے اُتری جسکی نظیر دوسرے مقدسوں میں بہت ہی کم پائی جاویگی پس یہ الہام دنیا ہی میں کیسا سچا ہوا لکم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا۔ خیر و نصرت و فتح انشاء اللہ تعالیٰ۔ وضعنا عنك

بموجب تعبیر دیکھیں بنی

وزرك الذى انقض ظهرك۔ یہ جملہ الہامیہ بھی آپکی وفات کی خبر دے رہا ہے کیونکہ بعد وفات کے تو جملہ انبیاءؑ اس بار تبلیغ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں و رفعنا لك ذكرك دنیا میں کوئی بلدہ اور شہر باقی نہ رہا ہوگا جو آپکی وفات کی خبر اسی روز نہ پہنچگئی ہو اور بڑے بڑے محققین مخالف اخباروں نے جیسا کہ پاؤنیر وغیرہ ہے آپکے رفیع الدرجات ہونیکے مضمون اور آپکی تطہیر کے تذکرہ دنیا میں شایع کیے۔ و الفضل ما شهدت به الاعداء اور آپکے اہل وعیال نے وہ صبر و استقلال اس وفات پر جتلایا جیسا کہ خاندان نبوت اور اہل بیت رسالت کے لیے ضروری تھا اور اس لیے اس الہام میں اس طرف اشارہ صریحہ موجود ہے انی معك ذكرتك فاذكر انعمتی اور وسع مكانك مشعر ہے اس وسعۃ مکان کی طرف جو آپکی قبر کا ہونا آنحضرت صلعم کی قبر ہیں حدیث میں آیا ہے کیونکہ جبکہ ادنیٰ مومن کی قبر نہایت درجہ فراخ کیجاتی ہے تو آنحضرت صلعم کی قبر کی وسعت کا کیا ذکر ہے جس میں حضرت اقدسؑ کی قبر بھی بموجب حدیث کے ہونی ضرور تھی جیسا کہ ہم نے ۱۹۰۷ء بدر نمبر میں تحت شرح حدیث یحدثهم بدرجاتهم فی الجنة مقبرہ بہشتی کے بیان میں مفصلاً تحریر کیا ہے۔ اب آپکو چاہیے کہ یاخذک اللہ کے منتظر رہیں بشرطیکہ توبہ نہ کریں پس یہ وفات تو بموجب الہامات مندرجہ تبصرہ کے ہی واقع ہوئی ہے۔ اور یہ جو الہام اُردو میں ہے کہ **میں تیری عمر کو بھی بڑھا دونگا** اسکی تصدیق ہم کانے دجال کے مقتدا ابو الوفا سے ہی کرائے دیتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہاں اولاً اس الہام کی مراد جو خود تبصرہ میں شرح کے طور پر حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمائی ہے لکھے دیتے ہیں ناظرین اُسکو خوب یاد رکھیں اور وہ بلفظہا یہ ہے کہ "جو جھوٹ اور شوخی سے باز نہیں آتے اللہ تعالیٰ اُنکی ذلت اور تباہی ظاہر کریگا" پس مراد عمر کے بڑھا دینے کی خود حضرت اقدسؑ نے بطور شرح کے یہ بیان فرما دی ہے اور اہل بصیرت کے نزدیک بھی یہی اصل معنے عمر کے بڑھا دینے کے ہو سکتے ہیں

کیونکہ لو فرضنا اگر عمر دنیاوی کسی شخص کی خواہ کسیقدر ہی بڑھ جاوے لیکن بعد اُس کی موت کے کوئی نام ونشان اُسکا نہ رہے یا کوئی نام لیوا بھی اُس کا باقی نہ رہے تو اسکو کوئی عقلمند عمر کا بڑھنا قرار نہیں دے سکتا کیونکہ اصلی حیات جاودانی تو یہی ہے کما قال اللہ تعالٰے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاویں اُنکو مرا ہوا نہ کہو وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ولنعم ما قیل سے ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما ایضاً۔ کشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جان دیگر است۔ اور اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ انبیا وشہدا بلکہ صالحین بھی عالم قدس کے میدان وسیع میں فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ہمیشہ حیات میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور اُنکے حسنات کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اس لیے وہ ہرگز نہیں مرتے اور وہ چشمہ خیر کہ جسکو وہ اس دنیا میں جاری کر گئے ہوتے ہیں اُس چشمہ خیر کا اجر اُنکو روز بروز موجب ترقی حیات طیبہ کا ہوتا رہتا ہے اور جس باغ اسلام کو اپنی حیات دنیوی میں وہ لگا گئے ہوتے ہیں اُسکی پھلوں اور پھولوں کا فیض جو دنیا کے لوگوں کو وقتاً فوقتاً پہنچتا رہتا ہے اسکا بھی اجر وقتاً فوقتاً اُنکو ملتا رہتا ہے جو موجب حیات طیبہ کا ہے دیکھو کلام نبوۃ میں بھی یہ وارد ہوا ہے کہ کل ابن اٰدم یختم علی عملہ اذا مات الا المجاھد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ متفق علیہ۔ یعنی ہر ایک انسان جب مرجاتا ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہوں میں کوششیں کرنیوالا ہوتا ہے اُس کے اعمال کا نشوونما قیامت تک جاری رہتا ہے۔ متفق علیہ الحاصل حیات اصلی اور عمر کی ترقی تو یہی ہے جو ہم نے بیان کی اور خود حضرت اقدسؑ نے تبصرہ میں اُس کی شرح فرمادی ہے کیا معترض نے گلستان بھی نہیں پڑھی کہ نوشیرواں جیسے بادشاہ کی نسبت جو اسلام میں بھی داخل نہیں ہوا تھا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں ؎ زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل ۔ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

اب ہم کانے دجال کے گروہ کے اقرار سے بھی ثابت کیے دیتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی عمر ظاہری بھی بڑھادی گئی ہے چنانچہ مرقع نمبر ۹ صفحہ ۱۲ سطرہ کی یہ عبارت جو بلفظہا نقل کیجاتی ہے کہ (مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم عیسائی کی بابت لکھتے ہیں کہ اگر پیشین گوئی سچی نہیں نکلی تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب چوسٹھ سال کے صفحہ ۳ اس عبارت سے صاف پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کی تھی ۔ آیئے اب ہم یہ تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا شکر ہے کہ اسکی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب ہی کی تحریروں میں پائی جاتی ہے مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ - جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہوگئے ہیں) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کے قریب تھی بہت خوب ۔ آیئے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۷ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں بہت اچھا چوسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آج کل ۷۵ سال کی ہے) انتہی بلفظہ اتنے ناظرین کو ثابت ہوگیا ہوگا کہ جو بعض تحریروں مخالفین میں یا فرض کیا کہ بعض تحریروں موافقین میں بھی ابتدائی پیدائش سے کوئی حساب تخمینی لگا کر حضرت اقدسؑ کی عمر ۷۰ یا ۷۱ سال کی قرار دیگئی ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے پس ابو الوفا صاحب کی حساب سے بھی بموجب اقرار خود ابوالوفا صاحب کے حضرت اقدسؑ کی ظاہری عمر بھی ایک طرح سے بڑھ گئی کما سیاتی بیانہ جس سے منشاء الہام کا پورا ہو سکتا ہے و الفضل ما شہدت بہ الاعداء پھر ہم کہتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی کوئی جنم پتری یا الہام موجود نہیں ہے جس سے حضرت اقدسؑ کی عمر کوئی تعداد معین یقینی مانی جاوی پس یہی اقرار مخالف کا ہم کو کافی و وافی ہے جسکا بیان آگے آتا ہے ۔

؎ کیونکہ کوئی جنم پتری تو موجود نہیں ہے اور حضرت اقدسؑ ضمیمہ براہین میں تحریر فرماتے ہیں دیکھو صفحہ ۱۹۲ کو کہ "عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہانتک مجھے معلوم ہے اب اسوقت تک جو ۱۳۲۳ ہجری ہے میری عمر ستر برس کے قریب ہے واللہ اعلم اور بمقابلہ ڈوئی کے ۱۹۰۲ء کے ریویو نمبر ۹ میں آپ اپنی عمر زیادہ از ۶۶ سال کی لکھتے ہیں اور چونکہ مخاطب شمسی حساب کرنیوالا ہے اس لیے یہ حساب شمسی رہیگا ۔

توضیح اب ہم یہاں پر حضرت اقدسؑ کی عمر کے الہامات میں جو اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں
اُنہیں مطابقت بھی دکھائے دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایک الہام میں یہ عبارت ہے ولنحیینک
حیٰوۃ طیبۃ ثمانین حولاً او قریباً من ذٰلک ان الہاموں میں حضرتؑ کی عمر کو اللہ تعالیٰ
نے تخمیناً بیان فرمایا ہے کوئی تعیین یقینی ایسی بیان نہیں فرمائی جس سے قطعی حکم کیا جاوے
کہ اسقدر ہے یعنی مابین ستر اور اسّی کے۔۔۔ جو عدد ہو وہ ہو سکتا ہے اور ایسا تخمینہ قرآن
مجید میں بھی استعمال فرمایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون
یعنی ہم نے حضرت یونسؑ کو لاکھ آدمیوں کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا یا لاکھ سے زیادہ ہوتے
ہیں ف اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ عاقل بالغ کو لو تو لاکھ
ہوتے ہیں اور چھوٹے صغیر بچے بھی اگر شمار کیے جاویں تو لاکھ سے زیادہ ہو جاتے
ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جو لوگ اُس بستی سے بھاگ گئے تھے وہ لاکھ تھے اور داخلین
و خارجین اگر دونوں لیے جاویں تو پھر لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یونہ نبی کی کتاب
میں بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے
او یزیدون کی مراد کو آنحضرت صلعم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیس ہزار
ترمذی اور بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔ غرضکہ اس آیت میں
حرف او کا تخمینہ کے لیے آیا ہے اور ایسے عدد تخمینی کا استعمال عرب کے محاورات کے
بموجب بکثرت ہے نیز آیت ولبثوا فی کہفہم ثلٰثۃ مائۃ سنین وازدادوا تسعا
میں شمسی قمری کے حساب سے تین سو برس پہ نو برس بڑھا دیئے گئے ہیں یہ کمی بیشی شمسی
اور قمری کے حساب میں بھی ہوتی ہے کہ تین سو شمسی کے تین سو نو برس قمری ہوتے
ہیں کیونکہ فی صدی شمسی میں تین برس کا تفاوت پڑ جاتا ہے اور قرآن مجید نے اس کمی بیشی کا
رد نہیں فرمایا۔ لہٰذا اب ہم ان دونوں آیتوں کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ او قریبا
من ذٰلک وغیرہ کی بات تخمینی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے بطور تخمینہ کے حسب محاورہ قرآن مجید

اور محاورہ عرب کے عمر تخمیناً حضرت اقدسؑ کی بیان فرمادی ہے اور عمر کی حقیقی مدت معینہ
بیان نہیں فرمائی کہ ستر اور اسّی کے درمیان میں سے کسقدر ہے اور وہ مدت صرف
علم الٰہی میں البتہ متعین ہے جسکا علم الہام میں حضرت اقدسؑ کو نہیں دیا گیا تھا مثلاً اگر
ستر یا اکہتر برس کی آپکی عمر قرار دیجاوے تو اُسکی نسبت او قریباً من ذٰلک حسب
محاورہ عرب کے کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بحکم یمحو اللہ ما یشاء و یثبت کے
بمقابلہ مخالفین کے چار یا پانچ برس اور بڑھادی مثلاً پچھتّر برس کردی تو اس میں کونسا
محذور ہے کہ موت کی اجل اور قیامت کی گھڑی کا علم کسی کو نہیں دیا گیا کما قال اللہ
تعالیٰ ان الساعۃ اکاد اخفیھا الخ[ع] ہاں جو مقدار عمر آنحضرت اقدسؑ کی اللہ تعالیٰ کے
علم میں تھی جسکو اجل مقدر فرمایا گیا ہے کہ قرب اجلک المقدر وہ اُسیقدر تھی
جسپر آپنے وفات پائی جو درمیان ستّر اور اسّی برس کے ہوتی ہے لیکن اس مقدار معین کا
علم کسی کو نہیں ہے کیونکہ کوئی جنم پتری بھی موجود نہیں اور نہ کوئی الہام یقینی تعیین کیلئے ہے اب بموجب اعتبار دیگر یعنی
کمی بیشی حساب شمسی وقمری کے بھی سمجھ لو جو باعتبار لحاظ آیت ثانی کے ۳۳ برس
شمسی پر ایک برس قمری زیادہ ہوجاتا ہے اور ستر سے اوپر کچھ برس زیادہ کرلو تو بھی
ممکن ہے اور ہوسکتا ہے۔ اور ڈوئی کے مقابلہ میں بھی حضرت اقدسؑ نے لکھا
تھا کہ میری عمر ۶۶ برس کی ہے دیکھو ریویو پرچہ نمبر ۹ سنہ ۱۹۰۲ء کو اور اس ۶۶ برس سے
مراد شمسی ہیں کیونکہ مخاطب شمسی حساب کرنیوالا ہے اگر اسکو قمری کرلو تب بھی ستر اسّی
کے درمیان ہی ہوگی اُسکو قریباً من ذٰلک فرمایا گیا غرضکہ الہامات میں کوئی تضاد
نہیں ہے فقط اذہان بشریہ کی خطا یا غلطی ہے وھذا مما الھمنی ربی فالحمد للہ۔
اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اہلبیت اور گھر والوں میں سے کوئی متنفس طاعون
سے فوت نہیں ہوا اور انی احافظ کل من فی الدار کا الہام بکمال درجہ صادق
اور پورا ہوا جو تبصرہ کے اخیر میں لکھا ہے باوجودیکہ ہر چہار طرف حضرت اقدسؑ کے

[illegible]

ع و ایضاً ان اللہ عندہ علم الساعۃ اور موت خود ایک قیامت ہے من مات فقد قامت قیامتہ

دار کے دیہات میں طاعون سے لوگ بکثرت فوت ہوتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کا قول مطابق
اُس کے فعل کے اور اُسکا فعل موافق اُسکے قول کے شبر بشبر مطابق رہا صدق اللہ
تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً والحمد للہ ثم الحمد للہ
اب یہانتک جواب تبصرہ محولہ کا پورا ہوگیا۔ اور اب ہم بعض اُن شبہات کے ردّ کیطرف
متوجہ ہوتے ہیں جو کاسُے دجال نے اعلان الحق اور ابو الوفا صاحب نے اپنے ایک اشتہار
میں شایع کیے ہیں ہم اولاً اشتہار کا جواب لکھتے ہیں سلمنا کہ حضرت اقدس نے
محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہا تھا لیکن اُس خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ دعا کسی
الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں ہے اس دعا کے وحی اور الہام نہ ہونیکا ابو الوفا
صاحب کو بھی اقرار ہے آگے رہی صرف دعا بغیر وحی والہام کے سو حضرت اقدس کا
یہ دعا کرنا آپکی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے اگر آپکو اپنے منجانب اللہ ہونیکا قطعی
طور پر یقین کامل نہ ہوتا تو ایسے الفاظ سے دعا کیوں کرتے جو اُس خط میں مذکور ہیں
اور ایسی دعائیں تو حضرت سید المرسلین اور خاتم النبیین کی بھی قبول نہیں ہوئی ہیں کما
قال اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شیئ او یتوب علیہم او یعذبھم فانھم
ظالمون یعنی اے پیغمبر آپکے لیے یہ اختیار نہیں ہے اس امر میں کہ قوم مخالف سب کے
سب آپکی دعا سے مارے ہی جاویں چاہے تو خدا اُنپر رجوع کرے یا اُنکو عذاب کرے
اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے غزوہ احد
کے ذکر میں اسی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہوئی موجود ہے عن سالم عن
ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلعم اذا رفع راسہ من الرکوع من رکعۃ
الاٰخرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا بعد ما یقول سمع اللہ
لمن حمدہ ربنا و لک الحمد فانزل اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شیئ الیٰ قولہ
فانھم ظالمون بخاری صفحہ ۵۸۲ یعنی سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے باپ عبد اللہ

۲) و عن حنظلہ بن ابی سفیان سمعت سالم بن عبد اللہ یقول کان رسول اللہ صلعم یدعو علی ...

سے کہ سُنا انہوں نے کہ آنحضرت صلعم نماز فجر کی رکعت اخیر میں جب رکوع سے سر اٹھاتے
تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے بار الٰہا تو فلانے پر لعنت کر فلانے کو تباہ کر دے فلانے کو
ہلاک کر دے یہ بد دعا بعد پڑھ لینے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا و لک الحمد دعا کی آنحضرت
صلعم بد دعائیں کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لیس لک
من الامر شیءٌ تا فانہم ظالمون کے اور دوسری روایت بخاری ہی میں ہے
کہ آپ یہ بد دعا صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بد دعائیں
فرماتے تھے پس یہ آیت نازل ہوئی کہ لیس لک من الامر شیءٌ فانہم ظالمون
تک - اور ظاہر ہے کہ یہ بد دعائیں آنحضرت صلعم کی سخت مخالفین کے حق میں اُسوقت تو
قبول نہیں ہوئیں بلکہ اُسکے جواب میں لیس لک من الامر شیءٌ نازل ہوا لہٰذا
اب آپسے دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا اس بد دعا آنحضرت صلعم کے قبول نہ ہونیسے
کوئی تفاوت آپکے مرتبہ نبوت میں آپکے نزدیک آسکتا ہے کلا و حاشا - پس اسی طرح
پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس بد دعا کے قبول نہ ہونیسے آپکے منصب
جری اللہ فی حلل الانبیاء میں بھی فرق نہیں آسکتا - آگے رہی آپ کی وفات سو
حضرت اقدس ع نے اپنے رسالہ الوصیت میں اور متعدد اشتہارات اور اخبارات
بدر و الحکم و ریویو آف ریلیجنز و تشحیذ الاذہان وغیرہ وغیرہ میں اپنی وفات کی خبر متعدد
الہامات ربانی میں دیدی تھی بلکہ ایک پہلو سے اپنی تاریخ وفات اواخر ماہ مئی میں مقرر
فرما دی تھی بلکہ ۲۷ - تاریخ بھی معین کر دی تھی رسالہ الوصیت ہی ملاحظہ ہو جو ۲۰ دسمبر
۱۹۰۵ء میں حضرت اقدس ع نے شایع کیا تھا اور اسی کی بنا پر مقبرہ بہشتی طیار ہوا ہی
اور اُسکا وجود موجب تصدیق پیشین گوئی مخبر صادق صلعم کا ہے جسکو ہم نے بہ تفصیل
اخبار بدر نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۶ء میں بیان کیا ہے چند الہامات اُسمیں سے یہاں پر نقل کیے جاتے
ہیں تاکہ ناظرین پر کالشمس فی نصف النہار واضح ہو جاوے کہ حضرت اقدس ع کی

وفات کا اسی طرح اسیقدر عمر اور انہیں تواریخ میں واقع ہونا ضروری تھا ورنہ نعوذ باللہ
تکذیب الہامات صادقہ کی لازم آتی دھو باطل (۱) قرب اجلک المقدر ولا
نبقی لک من المخزیات ذکرا قل میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات
شیئًا واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک تموت وانا راض
منک جاء وقتک ونبقی لک الاٰیات باھرات جاء وقتک ونبقی
لک الاٰیات بینات قرب ما توعدون واما بنعمت ربک فحدث
انہ من یتق اللہ ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (دیکھو ترجمہ اسکا
رسالہ الوصیت میں) اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے واقعات وفات حضرت اقدس ؑ
کے سب کچھ درج فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ بہتیرے وعد اور وعید آپکی
وفات کے بعد واقع ہونگے اور حضرت اقدس ؑ انکو بعد اپنی وفات کے معائنہ فرما دیں گے
جیسا کہ ہم نے اس الہامی آیت کریمہ کی تفسیر میں ثابت کیا ہے کیونکہ یہی سنت اللہ ہے
کہ کل پیشین گوئیاں مامور من اللہ کی حیات میں واقع نہیں ہوتیں۔ (۲) خدائے تعالیٰ
نے میری وفات کی نسبت اردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب
کر کے فرمایا "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی
یہ ہوگا یہ ہوگا بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا تمام حوادث اور عجائبات قدرت
دکھلانیکے بعد تمہارا حادثہ آئیگا" چنانچہ اس اثنا میں جو مدت مابین الوصیت اور
آپکی وفات کے ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے عجائبات قدرت دکھلائے دیکھو کتاب
حقیقت الوحی اور چشمۂ معرفت کو۔ (۳) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سلسلہ کو
پوری ترقی دیگا کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد انتہی۔ دیکھو اس کے آثار
بھی اب شروع ہو گئے ہیں کہ آنحضرت اقدس ؑ کے قبل دفن ہونیکے ہی ہزاروں آدمیوں
نے حضرت مولانا نور الدین صاحب رضؓ کے ہاتھ پر ۲۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو بیعت کی اور فوج

در فوج اور جوق در جوق ہزاروں ہزار آدمی واسطے بیعت کے اِس شدت گرما میں قادیان میں چلے آتے ہیں اور کوئی متنفر اس بیعت سے آجتک مخالف نہیں ہوا۔ پس یہ سلسلہ احمدیہ اور جملہ کارخانہ متعلقہ اس کا بدستور قائم ہے بلکہ امید قوی ہے کہ اب سلسلہ احمدیہ بہت ترقی کریگا۔ کیونکہ لوگوں کے جوش سلسلہ کی امداد اور ترقی دینے میں بہت ترقی پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ صدق اللہ تعالی وینصرک رجال نوحی الیہم من السماء† (۴) خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھیگا اور پھولیگا اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہوجاویگا۔ انتہی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کی حیات میں یہ درخت دین اسلام کا چھوٹا سا ایک پودے کے طور پر تھا بعد وفات بڑھا کما من تفصیلہ سابقا (۵) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا اس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہوجاتا ہے اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن شروع ہوں گے اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے۔ انتہی عبارت الوصیت۔ واضح ہو کہ رسالہ الوصیت میں اس زلزلہ کا تحریر فرمانا ایک بڑا قرینہ ہے اس امر کا کہ مراد زلزلہ سے آپ کی وفات ہو کما سیاتی معہذا اِس زلزلہ عظیمہ کی نسبت حضرت اقدس نے نصرت الحق وغیرہ میں بطور شرح و تفسیر کے تحریر فرمادیا ہے کہ یہ زلزلہ یا تو اپنے حقیقی معنوں پر واقع ہوگا اور یا مجازی معنوں کی رو سے بھی واقع ہوسکتا ہے چنانچہ عبارت اُسکی یہ ہے۔ ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۰ حاشیہ کی سطر دوم سے۔ لیکن میں ابھی اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور آفت شدید ہو۔ جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے۔ حصہ دوم نصرت الحق صفحہ ۲۰۔ گو ظاہر الفاظ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زلزلہ ہی ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت شدیدہ ہو۔ الخ۔ صفحہ ۹۶۔ مگر ممکن ہے کہ قدیم سنت اللہ کے موافق ان الفاظ سے کوئی اور ایسی شدید اور خارق عادت اور سخت تباہی ڈالنے والی آفت مراد ہو جو زلزلہ کا رنگ اور خاصیت اپنے اندر رکھتی ہو۔ صفحہ ۹۷۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ معہود

---

† حب الحکم آیت ذیل کے امت محمدیہ میں مدعی ماموریت من اللہ ہونیکی صداقت کیلئے تین نشان ہیں (۱) افمن کان علی بینۃ من ربہ یعنی نشانات الٰہیہ کا مدعی کے ہاتھ سے صادر ہونا (۲) ویتلوہ شاہد منہ یعنی خلف صالح اور اُسکے خلفاء کا قایم ہونا جو موید اس سلسلہ کے ہوں (۳) ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ یعنی کتاب سابقہ میں اسکی پیشگوئی کا موجود ہونا یہ تینوں امور بجز سلسلہ احمدیہ کے کسی اور دوسرے فرقہ میں موجود نہیں ہیں ومن ادعی فعلیہ البیان۔ منہ

کیونکہ بہار کے دن ہونگے اور جیسا کہ بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا اسکے قریب اور غالباً وہ وقت نزدیک ہے جبکہ وہ پیشگوئی ظہور میں آجاوے آخر تک۔ اور کتب علم تعبیر میں بھی مراد زلزلہ سے حسب ذیل لکھی ہے وربما دلت الزلزلۃ علی اضطراب الناس لسبب امراض الناس بالناقض مع السلامۃ من الموت فان انہد مت الجدران کان موتاً حقیقۃ وربما دلت علی ان الرائی یموت یعنی زلزلہ کا رؤیا میں دیکھنا دلیل ہے کہ بسبب لحوق امراض تپ لرزہ کے لوگ مضطرب ہونگے مگر موت سے سلامتی ہوگی۔ لیکن اگر بسبب زلزلہ کے دیواریں گری ہوئی دیکھے تو وہ دلیل موت کی ہے حقیقتاً اور اکثر زلزلہ کا دیکھنا رائی کی موت پر دلالت کرتا ہے۔ (تعطیر الانام فی تعبیر المنام وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ حضرت اقدس کو اپنے الہام کی مراد بہ تعیین کیوں نہیں معلوم ہوئی۔ الجواب معترض منہاج نبوت سے بالکل ناواقف ہے کیونکہ مبشرات اور منذرات کی حقیقت کا علم پورے طور پر حاصل ہونا ملہم کو ہرگز ضروری نہیں ہے۔ دیکھو تفسیر آیت ذیل کو لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحاً قریباً یعنے تحقیق اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کی خواب صادق کر دکھائی (یعنی اللہ صادق کر دکھاویگا) وہ خواب یہ تھی کہ البتہ تحقیق تم مسجد الحرام میں داخل ہوگے سر منڈاہنوالے ہوگے اور سر کے بال کترانے والے بیخوف ہوکر پس اسکے علم میں ہے وہ بات جس کا تمکو علم نہیں ہے اور اسکے سوائے جو ایک فتح جو نزدیک آنیوالی ہے مسلمانوں کیلئے مقرر کردی ہے۔ یہ رؤیا جس کا ذکر اس آیت میں مشرح ہے بین المفسرین والمحدثین ایک مشہور خواب ہے کہ نبی صلعم نے ہجرت کے چھٹے سال خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں واسطے حج یا عمرہ کے لئے گئے ہیں اور ارکان حج وعمرہ کے اطمینان کیساتھ ادا کر رہے ہیں سر بھی منڈوا رہے ہیں اور بال بھی کتروا رہے ہیں اور ان سب ارکان کو بیخوف وخطر بجا لا رہے ہیں۔ یہ خواب آپ نے اپنے اصحاب سے بیان بھی فرمایا تھا۔ چونکہ نبی کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے دیکھو حضرت ابراہیم علی نبینا علیہم السلام نے صرف یہ رویا دیکھا تھا کہ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ اس رویا کے دیکھنے کے بعد حضرت ابراہیم اپنے فرزند ارجمند کے ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے بلکہ اس رویا میں جو ایک جملہ خبریہ تھا حضرت اسمٰعیل نے اس کو جملہ انشائیہ امر الٰہی سمجھ کر عرض کیا کہ

یاابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین اس لئے اِس رویا کے بعد آنحضرت صلعم کا ارادۃً اتفاقاً عمرہ کرنیکا بھی ہوگیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ اسی رُویا کی تعمیل کے لیئے ہم اسی سال عمرہ کرنے کیلئے جاتے ہیں اور اس کا یہی وقت ہے اور جب بمقام حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سُنا تو انہوں نے جنگ کی تیاری کردی لعدالمتنیا والتی مسجد الحرام میں جانا اور ارکان عمرہ کا بجالانا جیساکہ رُویا میں دیکھا تھا اس سال وقوع میں نہ آیا بلکہ جو صلح واقع ہوئی وہ ایسی شروط کے ساتھ ہوئی جو بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ بہت دبکر صلح ہوئی ہے اگرچہ علم آلہی میں یہ صلح بڑی بڑی فتوحات کا مقدمہ تھی جسکی نسبت سورہ فتح میں انا فتحنا لك فتحا مبینا کلام آلہی میں ارشاد کیا گیا ہے۔ الحاصل آپ مکہ سے واپس چلے آئے بعض لوگوں کو یہ رویا موجب ابتلا کا بھی ہوئی اور ضعیف الایمانوں کو تو سخت ابتلادات پیش آگئے اور فی الحقیقۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت امتحان تھا کیونکہ چودہ سو آدمیوں کا ایک بڑی سفر میں آنحضرت صلعم کے ہمراہ مکہ معظمہ کو واسطے اداے عمرہ کے جانا اور پھر قربانیوں کو ہمراہ لیجانا اور نبی کریم کی رُویا کے بعد اس سفر عظیم کا واقع ہونا اور صلح بھی بظاہر بہت دبکر کرنا منافقوں اور ضعیف الایمانوں کیلئے ایک بڑا موقع تکذیب کا حاصل ہوجاتا ہے۔ مگر چونکہ اس رُویا میں العام کا لفظ نہ تھا یعنی یہ کہ اسی سال یہ رُویا واقع ہوجاویگی اس لئے قوی الایمان لوگوں کو کوئی ابتلا پیش نہ آیا اور معترضین کو یہی جواب ملا کہ کیا اِس رویا میں نبی کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اسی سال رُویا کا مضمون واقع ہوگا لفظ تو لتدخلن المسجد الحرام ہے جو صیغہ استقبال کا ہے اور آئندہ سال میں ہوسکتا ہے چنانچہ آئندہ سال میں یہ پیشین گوئی بخوبی واقع ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صادق مصدوق علیہ الصلوۃ والسلام کو سچّا کردیا کہ اگلے سال آنحضرت صلعم بطرف مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور لشکر مسلمانوں کا آپ کے ہمراہ تھا اور آنحضرت صلعم نے مع جملہ ہمراہیان اصحاب کے عمرہ ادا کیا اور کوئی خطرہ اور خوف واقع نہ ہوا۔ جیساکہ رُویا میں دکھایا گیا تھا اُسی کی نسبت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق صیغہ ماضی اِسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ قرآن مجید کا خصوصاً یہ محاورہ ہے کہ جو چیز آئندہ ہونے والی علم آلہی میں ہوتی ہے چونکہ وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے اس لئے اس کو بصیغہ ماضی تعبیر فرماتے ہیں گویا کہ وہ واقع ہوچکی لہذا اس جگہ بھی بصیغہ ماضی لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا ارشاد فرمایا

گیا۔ اور مراد یہ ہے کہ آئندہ ضرور بالضرور یہ رؤیا صادق واقع ہوگی جو واقع ہوئی۔ والحمدللہ۔

پس اس قصہ صلح حدیبیہ سے جو قرآن شریف اور تفاسیر معتبرہ و مسلمہ اور احادیث صحیحہ اور کتب سیر معتبرہ میں مندرج ہے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملہم کو پیشین گوئی کا تفصیلی علم حاصل ہونا کچھ ضروری نہیں ہے اور اکثر پیشگوئیوں میں بمصالح الٰہیہ اکثر اجمال بھی ہوا کرتا ہے جس کا علم بالفعل ملہم کو بمصالح نہیں دیا جاتا۔ پس اگر حضرت اقدس کو اس زلزلہ عظیم الشان کی نسبت بہ تعیین مراد پورا علم حاصل نہیں ہوا تو آپ کے مرتبہ میں کیا نقص لازم آیا جس سے مراد یہ آپ کی وفات ہوسکتی ہے جو دوسرے لفظوں میں الہام فرمائی گئی تھی دیکھو جلد ششم بدر نمبر ۱۵ کو بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید نا ہمیں کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیر و ابقی اور اس زلزلہ کی نسبت جو الہام ہے کہ ربّ اخر وقت ھذا اخرہ اللہ الی وقت مسمی دیکھو صفحہ ۱۰۰ حقیقۃ الوحی کو۔ ان الہاموں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی عمر بھی بڑھا دی گئی کیونکہ اگر بجائے لڑکی کے لڑکا پیدا ہوتا تو بموجب اس تعبیر کے آپ کی وفات ۷ اجولائی ۱۹۰۶ء کے قریب قریب ہو جاتی لیکن لڑکی پیدا ہونے کے سبب اس قدر عمر بڑھا دی گئی لفظ ہذا اندر کہی دلالت کرتا ہے کہ مراد زلزلہ سے موت ہے ورنہ بصیغہ مونث آنا چاہیئے تھا۔ پھر رسالہ وصیت صفحہ ۴ اسطر تین میں یہ الہام بھی لکھا ہوا ہے زندگیوں کا خاتمہ۔ غرضیکہ اور بھی بہت سے الہامات رسالہ الوصیت وغیرہ میں لکھے ہوئے ہیں جو اُن کے دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہوسکتے ہیں۔ اور پھر اخبار بدر کے مطالعہ سے وہ الہامات جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں اور ہفتہ وار چھپتے رہے ہیں اُن کے مطالعہ سے سب امور منکشف ہو جاوینگے چنانچہ بدر جلد ۷ نمبر ۱۵ میں یہ الہام موجود ہیں ماتم کدہ۔ دوبارہ زندگی۔ منسوخ شدہ زندگی۔ مراد اُنکی یہ ہے کہ اس موت ظاہری سے گھر ماتم کدہ ہو جاویگا۔ مگر پھر دوسری زندگی جو انبیا و شہداء و صدیقین کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ دوبارہ زندگی حاصل ہوگی جو بغیر وفات کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور منسوخ شدہ زندگی سے مراد دُنیا کی زندگی ہے جسکی منسوخی کے بعد یہ حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے اور جلد ۷ نمبر ۱ بدر میں یہ الہام موجود ہے ۵ مباش ایمن از بازیٔ روزگار۔ جس کے بعد یہ الہام بھی ہوا ہے کہ مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر شہر انبالہ نے اِس

مصرعہ میں آپ کی سنہ وفات ۱۳۲۶ھ ہجری بھی نکالی ہیں۔ قاضی اکمل صاحب کو بھی توارد ہوا ہے۔
اور بدر نمبر ۲۱ میں یہ الہام موجود ہے جو چند روز پیشتر وفات کے لاہور میں نازل ہوا ہے اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ
الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ۔ غرضیکہ اس ڈھائی سال کی مدت میں یعنی جب سے کہ رسالہ الوصیت لکھا گیا ہے متواتر
الہامات وفات کے بکثرت ہوتے رہے ہیں اور وفات شریف کے قریب تک ہوتے رہے ہیں۔ پس ایسی بارش
الہامات کے وقت میں اگر ڈاکٹر صاحب نے اپنے شیطان کے تخیل سے کوئی الہام شیطانی ۴۔ اگست کو
یا ۴۔ اگست تک کا خیال شائع کیا تو اس میں کیا استبعاد ہے کیونکہ جب کسی مامور مُلہم ربانی کے وقت میں
ایسا انتشار روحانیت کا ہوا کرتا ہے اور اُس وقت میں الہامات ربانی کی بارش بکثرت ہونے لگتی ہے
جیسا کہ اس مدت بعثت مسیح موعود میں خصوصاً اس مدت دو نیم سال میں الہامات وفات مسیح کی بارش ہوتی
رہی تو شیاطین جن و انس پر بھی کچھ اُسکا چھینٹا بطور استراق سمع کے جا پڑا جس کا ذکر اس آیت میں ہے
قال اللہ تعالیٰ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ
یعنی ہمنے آسمانوں کی حفاظت ہر ایک شیطان مردود سے کر دی ہے یعنی آسمانوں میں فرشتوں کی مجالس علوی
میں کوئی شیطان جانے نہیں پاتا جو فرشتوں سے غیب کی باتیں سُن سکے مگر چھپے چوری کوئی بات سن بھاگتا
ہے کیونکہ شہاب کا روشن انگارا جب اُس کے پیچھے پڑتا ہے تب وہ عالم سفلی میں بھاگ آتا ہے ف تفسیر کبیر
میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے شیاطین آسمانوں پر جا داخل ہوا کرتے تھے اور فرشتوں سے
اخبار غیب کی سُن کر اپنے دوستوں اور کاہنوں سے کہدیا کرتے تھے مگر بوقت حضرت عیسیٰ کے تین آسمانوں
پر جانے سے روک دیئے گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کے وقت میں کل آسمانوں پر جانے سے روک دیئے گئے
ہیں اور اب جو آسمانوں پر جانے کا قصد کرتے ہیں تو شہاب مبین سے کھدیڑ دیئے جاتے ہیں تاہم کسی درجہ تک
بچند مصالح الٰہیہ استراق سمع اب بھی باقی رہ گیا ہے کہ جب امور غیبیہ اور قضا و قدر کا چرچا فرشتوں میں ہوتا
ہے اور ملہم ربانی کیلئے ملائکہ الہام پہنچانے کا کچھ چرچا کرتے ہیں تو بطور استراق سمع کے کوئی بات ادھوری
یا پوری وہ بھی سُن بھاگتے ہیں۔ مگر وہ بات ایسی یقینی قطعی نہیں ہوتی جیسا مُلہم ربانی کے الہامات یقینی ہوتے
ہیں۔ کیونکہ جب کوئی بات فرشتوں کی شیاطین سُننے لگتے ہیں تو شہاب مبین کی تاثیر سے وہ کھدیڑ دیئے جاتے

ہیں۔ اس لئے جو شخص شیاطین کیطرف سے کوئی ملہم ہوتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی طور پر کوئی بھی دعوی نہیں کر سکتا کما قال اللہ تعالیٰ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا یعنے شیاطین باہم ملمع باتیں دھوکا دینے کی غرض سے کرتے رہتے ہیں بخلاف ملہم مامور من اللہ کے کہ وہ اُن باتوں کو جو فرشتوں کے ذریعہ سے اُس کو الہام ہوتی ہیں قطعی اور یقینی جانتا ہے اسلئے ملہم مامور من اللہ کو بڑی کثرت کے ساتھ بھی اور شدت وقوت یقین کے ساتھ بھی وہ الہامات ہوتے ہیں؎۔ اگرچہ یہاں پر استراق سمع کا مسئلہ ناواقفین کے لئے بڑا اشتباہ میں ڈالنے والا ہے کیونکہ الہام ملایکہ ارواح لطیف کا اور استراق سمع شیاطین ارواح خبیث کا اگر باہم مطابق ہو جاویں تو پھر ان دونوں میں ما بہ الامتیاز کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں جبکہ کسی ملہم کی صداقت دلایل قطعیہ اور براہین یقینیہ اور نشانات آسمانی اور اُسکی تعلیم حقہ روحانیہ سے محقق ہو جاوے تو پھر اُس کے الہامات اور استراق سمع میں زمین وآسمان کا فرق اہل بصیرت کو معلوم ہو جائیگا کیونکہ بقول شخصے چور کے پیر نہیں ہوا کرتے۔ استراق سمع میں وہ قوت اور شوکت حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اسمیں روحانیت اور نورانیت ہوتی ہے نہ اسکی تعلیم حق ہوتی ہے کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہو صدق اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب۔ اور دوسرا ما بہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ استراق سمع بعد نازل ہونے الہامات ملہم ربانی کے واقع ہوا کرتا ہے اور قبل اسکے کہ ملہم ربانی مبعوث ہو اور ملائکہ میں اُن الہامات کی چرچا ہو استراق سمع ہو نہیں سکتا کیونکہ چوری کسی مال کی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی مال موجود ہووے۔ قبل موجودگی مال کے چوری کس چیز کی ہوگی۔ دیکھو یہاں پر بھی ایسا ہی حال ہے کہ قبل دعوی حضرت مسیح موعود کے کسی کاذب نے کوئی دعوے الہام کا نہیں کیا تھا۔ جو کوئی بھی مدعی الہام اس وقت میں اُٹھا ہے وہ بعد دعوے حضرت مسیح موعود کے اُٹھا ہے پس ثابت ہوا کہ دوسرے مدعیوں کے الہامات شیطانی بطور استراق کے ہیں اور مامور من اللہ کے الہامات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرشتوں میں اُنکا چرچا ہوتا تھا اور چونکہ استراق میں استماع کامل نہیں ہوتا کیونکہ شیطان کچھ بھاگتے ہوئے سنتے ہیں اسلئے استراق سمع میں ایک بڑا خطرہ غلطی واقع ہونیکا یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض امور جو متعلق کاذب کے ہوتے ہیں مگر اُسکو صادق کے حق میں سمجھ کر شیاطین القا کر دیتے ہیں اور بعض امور جو متعلق صادق کے ہوتے ہیں اُن کو کاذب کے حق میں سمجھ کر القا کر دیتے ہیں۔ اس لئے شیطان الانس غلطی میں پڑ جاتا ہے

؎ اگرچہ شہاب ثاقب کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے مگر جو ایذا شیاطین اس مدت معینہ میں [illegible] ہوا [illegible] مفصل پہلے ثابت کیا گیا ہے اور

چنانچہ یہ امر بھی اب واقعہ ہے۔ دیکھو عصائے موسیٰ اور چراغ الدین کے الہامات کو اور اس امر کا اشعار آیت ذیل میں بخوبی ہے قال اللہ تعالیٰ لقد ابتغوا الفتنۃ وقلبوا لک الامور حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وھم کارھون ۱۲ یعنی البتہ تحقیق انہوں نے پہلے بھی فتنہ ڈالنا چاہا اور اُلٹ پلٹ باتیں اپنی اوہام سے کرتے رہے یہاں تک کہ جو امر حق اور سچا وعدہ الہامی تھا وہ آپہنچا اور مخالف کراہت کرنے والے ہی رہے۔ یہاں پر ہم بسبب طوالت کے ان مسائل استراق اور شہاب مبین کی تحقیق دلائل عقلیہ سے نہیں کر سکتے کیونکہ اپنے محل پر ایسے مسائل کی حقیت ثابت ہو چکی ہے۔ بہرحال شیاطین الانس و الجن کی طرف سے یہ تقلیب امور کی جیسا کہ واقع ہو رہی ہے قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رسالہ اعلان میں لکھتے ہیں کہ:- ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ابتدائی الہامات مرزا کے مخالف تھے انتہیٰ۔ بھلا غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں کا اعتقاد عیسائیوں کی مذہب کی تائید کرتا ہو بلکہ اُن کے دین کے مطابق ہو اور نجات کیلئے آنحضرت صلعم پر ایمان لانیکی کوئی ضرورت نہ ہو اُن کیلئے تو عذاب الیم نہ ہو اور وہ لوگ جھوٹے بھی نہ ہوں اور جن لوگوں کا اعتقاد حقہ مذہب عیسائیوں کا دلائل یقینیہ سے ستیاناس کرتا ہو وہ جھوٹے بھی ہوں اور عذاب الیم بھی اُن کے لئے ہو تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ باقی اِن جملہ ہذیانات کا جواب کتب مصنفہ اور ہمارے سابق خط میں دیکھو۔ اب ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر بھی نظر کی جاوے کہ دجالی فتنہ تیرے ہاتھ سے پاش پاش کرایا جاویگا۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ تو اقرار ہے کہ بیس سال تک میں حضرت مرزا صاحب کا مرید رہا یعنے حضرت مرزا صاحب کو وہی مسیح موعود جس کے ہاتھ سے کسر صلیب واقع ہوگا اور دجالی فتنہ پاش پاش کیا جاویگا۔ اور دجالی فتنہ بھی پادریوں اور عیسائیوں کا ہے جو ڈاکٹر صاحب بیس پچیس سال تک اعتقاد کرتے رہے ہیں جس کے دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ ابتک موجود ہیں اور کسیطرح کا نقض اُن میں ڈاکٹر صاحب وارد نہیں کر سکتے۔ معہذا ابیس پچیس برس کے بعد ایسے احقاق حق کرنیوالے اور ابطال باطل کرنیوالیکو دجال اعتقاد کر لیا۔ یہی تو ہے وہ تقلیب امور شیاطین الانس والجن کیطرف سے جو آیت کریمہ مذکورہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ الہام اصل میں اور نیز بموجب اعتقاد بست سالہ ڈاکٹر صاحب کے فتنہ پادریوں اور اُن کے مؤیدین کی نسبت تھا جو شیاطین کو اُس نے اُلٹ پلٹ کر دیا

ہے ورنہ ڈاکٹر صاحب اب بھی اُن براہین قطعیہ میں سے کسی ایک دلیل کا ہی نقض کر دیویں ورنہ بخوبی ثابت ہے کہ دجالی فتنہ کا پاش پاش کرنیوالا وہی شخص ہے جسکی نسبت آپ بھی بیس پچیس برس تک اعتقاد کرتے رہے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی ونعوذبک من شر الوسواس الخناس۔ اب اس الہام پر غور فرمایا جاوے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جاویگا اور اسکی میعاد تین سال بتلائی گئی۔ اس مقام میں شیطان الجن یا شیطان الانس یا دونوں نے جو اُلٹ پلٹ کیا ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہے اور مزید لطف یہ ہے کہ صفحہ ۵ اعلان میں جو کچھ آپنے اُلٹ پلٹ کر کرا کر حضرت اقدس کیطرف منسوب کر دکھلایا ہے پھر معہٰذا اصل اشتہار حضرت اقدس کا بھی نقل کر دیا ہے کس قدر جرأت و جالیت کی ہے کجا حضرت کے الہامات اور کجا ڈاکٹر صاحب کی تحریفی عبارت ۔ چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد۔ ہم جواب تو اسکا پہلے لکھ چکے ہیں اب ناظرین یہاں پر کانے دجال کی دجالیت کو خود ملاحظہ فرمالیونگے کہ کس قدر دجالیت اور تحریف و تبدیل کو عمل میں لایا گیا ہے علی ہذا القیاس جو رؤیا صفحہ ششم میں لکھی ہے کہ شیطان شیطان۔ تعبیر اسکی ظاہر ہے کہ ایک شیطان تو ڈاکٹر صاحب ہیں اور دوسرا شیطان آپکا شیطان ہمزاد ہے اور دوسرا فقرہ آپکے شیطان کیطرف سے زخرف القول ہے کما قال تعالیٰ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا۔ اور سانپ کے رؤیا کی تعبیر بھی صاف ہی ہے کہ آپکا شیطان اور نفس امارہ ہر چند کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے مگر پھر بھی بسبب تکبر اور عناد کے بولتا اور پھنکارتا رہتا ہے۔ یہ بھی وہی آپکا اُلٹ پلٹ کرنا اور وہی تقلیب امور ہیں جو آیت کریمہ میں مذکور فرمائے گئے ہیں اور یہ دوسری رؤیا آپ کی کہ وہی پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوگا بہت صاف ہے کیونکہ یہ الہام قدیم حضرت اقدس کا ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ اب غور کرو کہ واقعات اور نشانہائے آسمانی نے ثابت کر دیا ہے کہ مصداق اس الہام کے حضرت اقدس ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ معمار لوگ تو وہی پنجہ مولوی اور نام کے علماء ہیں جو دعوی معماری اسلام کا کر رہے ہیں اور اس پتھر کو فتوہائے تکفیر شائع کر کر رد کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی زور آور حملوں سے اُسی پتھر کو عمارت اسلام کے کونے کا سرا گردان دیا۔ والحمد للہ۔ پس ڈاکٹر صاحب بھی جب خود اپنے اقرار کے کانے دجال ہیں نیز تو ابتک علمائے زمن کے فتوی ہائے تکفیر ابتک صادر نہیں ہوئے **قولہ** مرزا کی موت نے ثابت کر دیا ہے کہ مرزا متکبر اور شیطان تھا اور میرے تمام الہامات رحمانی تھے جو لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ **اقول** ۔ اگرچہ اس کا جواب زیر تفسیر آیت لیس لک من الامر شیء کی تفسیر میں آچکا ہے مگر یہاں بھی کسی قدر لکھا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ انبیاء کی بعثت اور

حیات میں اُنکے تمام مخالفین و مکذبین ہرگز ہلاک نہیں ہوجایا کرتے ایسا اہلاک تو آنحضرت صلعم کی بعثت و حیات میں بھی نہیں ہوا بہت سے مخالف بلکہ مدعی نبوت بھی آپکی وفات کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ ہاں بہت سے ہلاک بھی ہوگئے تھے پھر یہاں پر بھی یہی ہونا چاہیئے تھا۔ تنبیہ الناظرین۔ حضرت اقدس کے جس قدر الہامات و عید و تہدید ہیں اور انہیں مثل اجیب دعوۃ الداع وغیرہ کے عبارتیں واقع ہوئی ہیں انکو ہرگز ہرگز حضرت اقدس کی حیات ہی پر یقینی محمول کرنا نہیں چاہیئے بلکہ انکی کوئی مدت مقرر کرنی چاہیئے دیکھو حضرت موسیٰ نے فرعونیوں پر یہ دعا کی تھی کہ ربنا اطمس علیٰ اموالھم و اشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتّٰی یروا العذاب الالیم۔ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ تمام مفسرین اس دعا کے مقبول کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دعا چالیس برس کے بعد قبول کیگئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ قال ابن جریج ان فرعون لبث بعد ھذا الدعاء اربعین سنۃ۔ والمعنی لا تتبعان سبیل الجاھلین الذین یظنون انہ متی کان الدعاء مجابا کان المقصود حاصلا فی الحال فربما اجاب اللہ تعالیٰ دعاء انسان فی مطلوبہ الا انہ یوصلہ الیہ فی وقتہ المقدر والاستعجال لا یصدر الا من الجھال۔ آخر تک۔ ترجمہ امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ تحقیق فرعون اس دعا کے بعد چالیس برس تک اپنی عیش و عشرت اور بادشاہت میں بنا رہا ہے اور یہ مسلک تو جب حکم اللہ تعالیٰ کے جاہلوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا قبول ہوگئی تو مقصود اُسی وقت حاصل ہو جاویگا حالانکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کی دعا اسکے مطلوب میں قبول ہو جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اُس مطلوب کو اپنے وقت مقدر پر ہی پہنچاتا ہے لاغیر اور جلدی کرنا صرف جاہلوں کا ہی کام ہے جسکی نسبت فرمایا ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ پس بالفرض اگر حضرت اقدس نے بھی کسی ایسی دعا کیلیے جو الہامًا قبول فرمائی گئی ہے اپنے فہم سے کوئی وقت یا کوئی مدت مقرر فرما دی ہو تو پھر بھی جو حکم حضرت موسیٰ اور ہارون کے لیے جسطرح قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون وہی حکم قرآنی حضرت اقدس کیلیے بھی اسی طرح موجود ہے۔ آیت کے نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کا کچھ خیال ایسا ہی ہوگا کہ ہماری دعا فرعونیوں کے حال میں ہی قبول کیگئی کیونکہ ماضی کا لفظ قد کے ساتھ موجود ہے اس لیے اس وہم کے رفع کرنے کیلیے فرمایا گیا

ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ ناظرین اس گرکو یاد رکھیں انسے فہم سے حضرت اقدسؑ کے منصب میں کچھ نقص لازم نہیں آیا ورنہ تمام انبیاؤں کی نبوت سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ ع۔ بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔

اب اولاً ہم چند ہلاک شدہ لوگوں کے اسماء دکھاتے ہیں جو حضرت اقدسؑ کے مباہلہ یا سخت مقابلہ میں آ کر ہلاک اور تباہ ہوگئے ہیں تاکہ ناظرین پر واضح ہو جاوے کہ بموجب آیت لیس لک من الامر شیء کہ حضرت اقدسؑ کی دعا سے ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا حضرت کی حیات ہی میں ہلاک ہو جانا کچھ ضروری نہیں تھا۔ چند اسمائے ہلاک شدہ یہ ہیں۔ دیکھو حقیقۃ الوحی کی صفحات نمبر کردہ کو۔ مولوی غلام دستگیر قصوری [ص ۲۲۸]۔ مولوی محمد حسن [ص ۲۲۸]۔ پنڈت لیکھرام [ص ۲۸۱] سہج رام امرتسری [ص ۲۹۶]۔ مولوی اسمٰعیل علیگڈھی [ص ۳۲۹]۔ فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم [ص ۳۶۶]۔ فضل داد خان نمبردار [ص ۳۸۱] چنگا ضلع راولپنڈی۔ سعد اللہ لدھیانوی [تتمہ ص ۴]۔ عبدالقادر ساکن طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور [تتمہ ص ۴۸]۔ حافظ محمد دین ساکن موضع ننگ تحصیل لاہور [تتمہ ص ۵۰]۔ بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ پنشنر لاہور [تتمہ ص ۹۷]۔ سوم راج قادیان [تتمہ ص ۱۵۲] اچھر چند [تتمہ ص ۱۵۲] بھگت رام قادیان مولوی عبدالمجید ساکن دہلی [تتمہ ص ۱۵۹]۔ محمد جان المعروف مولوی محمد ابو الحسن ساکن [تتمہ ص ۱۵۹] پنجگرائیں ضلع سیالکوٹ۔ عبداللہ آتھم [ص ۲۱۳]۔ آتمارام کی اولاد کی موت [ص ۲۱۶]۔ ڈوئی امریکہ [ص ۲۱۶]۔ چراغ دین [ص ۲۲۰]۔ پنڈت دیانند [ص ۲۲۱]۔ مولوی رسل بابا امرتسری [ص ۲۲۴]۔ محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ [ص ۲۲۵]۔ نور احمد موضع بھری چھٹہ تحصیل حافظ آباد [ص ۲۲۶]۔ مولوی زین العابدین لاہوری [ص ۲۲۶]۔ حافظ سلطان سیالکوٹی [ص ۲۲۷]۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی [ص ۲۲۷] مولوی رشید احمد گنگوہی جو سانپ کے کاٹنے سے مرگئے [ص ۲۲۷]۔ مولوی شاہ دین لدھیانوی [ص ۲۲۸]۔ مولوی عبدالعزیز [ص ۲۲۸] مولوی محمد [ص ۲۲۸]۔ مولوی عبداللہ لدھیانوی [ص ۲۲۸]۔ عبدالرحمٰن محی الدین لکھوکے والے [ص ۲۲۸] وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ بہت کثرت سے ایسے ہلاک شدہ لوگ ہیں۔ جنکے تمام اسماء لکھنے سے رسالہ طویل ہو جاویگا۔ پھر جبکہ اس کثرت سے مخالفین مکذبین مباہلہ میں آ کر یا سخت مقابلہ حضرت اقدسؑ سے کر کر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ تو پھر کیا حضرت اقدسؑ حی و قیوم تھے بشر نہ تھے۔ جو انکی وفات کبھی نہ ہوتی۔ پس جبکہ رسول کریمؐ نے مخالفین کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ بحکم آیت لیس لک من الامر شیء ہلاک نہ ہوئے لہذا آپ کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آیا تو پھر حضرت اقدسؑ نے بھی اگر ایک دو کاذب کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ ہلاک نہ ہوئے۔ تو آپکی صداقت میں کیونکر فرق آسکتا ہے جبکہ مکذبین کثرت سے ہلاک ہو چکے ہیں اور آپ بشر رسول ہیں۔ بشر کیلیے وفات ضروریات سے ہے

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپکی وفات کا ایسے وقت غیر مترقب میں ہی ہونا ضروری تھا بلکہ الہام شیطانی کا مطابق الہام ربانی کے ہو جانا بھی خواہ ہم۔ اگست لفظ کو کے ساتھ ہو یا ہم۔ اگست لفظ تک کے ساتھ ہو۔ جسے بعد کو اسنے بنایا ہے ضروری تھا۔ کیونکہ آپکی مماثلت اور مشابہت حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ علاوہ الہامات جری اللہ فی حلل الانبیاء وغیرہ کے بہت شدت کے ساتھ تھی ؎

چوں مرا نوری پئے قوم مسیحی دادہ اند ؛ ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند۔ اور یہ شدت مشابہت اس امر کیلیے مقتضی تھی کہ آپکی وفات ایسی طرح سے واقع ہو۔ کہ ابن مریم کی وفات کے ساتھ ضرور مشابہ ہو جاوے۔ اب سنو! کہ یہود مخالفین کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی وفات سولی کی موت کے ساتھ مشتبہ کیگئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لھم یعنی یہود مخالفین نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو اور کسی طرح سے قتل کیا اور نہ اسکو سولی دیکر قتل کیا لیکن قتل صلیبی کے ساتھ انکی موت یہود کے نزدیک مشتبہ کر دیگئی اس لیے اسوقت کے یہود مخالفین کے لیے بھی مسیح موعودؑ کی وفات مطہر اُسی طرح سے وفات غیر مطہرہ کے ساتھ مشتبہ کر دیگئی دیکھو اسوقت کی یہود نے بھی اپنی شرارت سے ایک جنازہ لعنتی شخص کا نکالا۔ کیا بعید ہے کہ اُن اصلی یہود نے بھی کسی شخص کو بطور سوانگ کے سولی پر چڑھایا ہو۔ اور یہ سوانگ مع ایتا کتب اہل اسلام میں داخل ہو گیا ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور کانے دجال کا شیطانی الہام اگرچہ بصورت لفظ کو کے محض کذب اور غلط ہی ہو مگر اسی لیے بصورت تسلیم لفظ تک ہونیکو جو بسبب استراق سمع کے اُن الہامات کثیرہ ربانی کے ساتھ جو مذکورہ وغیر مذکورہ ہیں مطابق ہو گیا اگر آجکل کی یہود کے نزدیک موت مشتبہ نہوتی۔ اور یہ امر آپکی وفات میں موجود نہ ہوتا تو مماثلت میں کمی واقع ہو جاتی اس لیے حکمت الٰہی واسطے اثبات پوری مماثلت کے مقتضی ہوئی کہ شیطان الجن یا شیطان الانس کا وسوسہ بطور استراق سمع کے عند الیہود مطابق آپکے الہامات وفات کے ہو جاوے۔ لیکن کجا استراق سمع شیاطین کا اور کجا استماع ملائکہ حاملین وحی الٰہی کا جو الہام ربانی ہے ؎ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا + اور الہام قدیم ایلی ایلی لما سبقتنی جو حضرت اقدسؑ کو ہوا تھا وہ بھی آخر مرض الموت میں پورا ہو گیا صرف فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتنی ”اے میری خدا اے میرے خدا مجھ کو تُو نے کیوں چھوڑ دیا“ کہا تھا اور حضرت اقدسؑ نے ”اے میری پیارے خدا اے میرے پیارے خدا“ فرمایا۔ جس سے حضرت اقدسؑ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

ایک محبت اور پیار زیادہ حضرت عیسیٰ سے ثابت ہوا۔ کیونکہ مادہ حلت ربت الہام نے اللہ تعالیٰ کی محبت
ثابت کرکر لما سبقتنی کو منسوخ فرمادیا تھا اور یہ الہام شیطانی کہ مرزا پھیپھڑے کی مرض سے ہلاک ہوگیا۔ سراپا جھوٹ
اور غلط ہو گیا بلکہ یہ الہام شیطانی بھی اسی تقلیب امور میں داخل ہے جو آیت مذکورہ میں مندرج ہے کہ آپ یا آپکا کوئی ہم مسلک
دوست مرض پھیپھڑے سے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوجاویگا باقی ہفوات کا جواب ہم پہلے خط مندرجہ بدر میں دے چکے ہیں
اعادہ میں طوالت ہوگی۔ ناظرین اس خط کو ملاحظہ فرمالیں۔ اور بیان آپکی غلط فہمی الہامات حضرت اقدس کا
ظاہر ہے کہ آپ حقیقی عبدالحکیم عنداللہ کیسے ہیں۔ جیسا کہ ابوجہل ابوالحکم نہ تھا آپنے تو خود اپنا نام اپنے قلم سے
کانا دجال لکھا ہے صدق اللہ تعالیٰ الیوم نختم علیٰ افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا
یکسبون۔ ہاں جو فی الحقیقت عبدالحکیم تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اندھا ہونے مفلوج ہونے سے ضرور بچا دیا۔ آیندہ دیکھیے
آپکا کیا حال ہوتا ہے باقی الہامات مثلاً "اے سیف تو اپنا رخ پھیر لے" یہ آپکی تنبیہ کیلیے اور اتمام حجت کے لیے
کیونکہ آپکی سیف زبان کے دفع کرنیکے لیے یہ الہام ربانی بھی تو ہوا ہے "فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے"
لہٰذا اب بھی آپ توبہ کرلیویں۔ ورنہ کشتی کا بیڑا غرق ہی ہوا سمجھیے۔ ثم رددناہ اسفل سافلین کیونکہ
یہاں تو حضرت اقدس کی وفات کے روز سے ہی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب تو بموجب ارشاد آنحضرت کے
جو الوصیت کے صفحہ پنجم وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کے ظہور کا وقت آگیا ہے
جسکے علامات اور آثار بینہ شروع ہوچکے ہیں۔ اور درصورت عدم توبہ کے مت ایہا الخوان کے بھی منتظر رہیو اور
انشاءاللہ دونوں پل یعنی مرقع اور کانا دجال بھی قریب ٹوٹ جاوینگے والعاقبۃ للمتقین کو خوب یاد رکھیو
اور الہام ربانی ان خبر رسول اللہ واقع تو ڈاکٹر صاحب جیسے کی فہمائش کیلیے ہی واقع ہوا تھا کہ ڈاکٹر
صاحب مبارکسکی وفات پر کوئی اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ انکی وفات کی نسبت تو پہلے ہی سے فرستادہ خدا کو الہام ہوچکا
ہے اور اس خبر کا واقع ہونا ضروریات سے ہے۔ کیونکہ وہ خبر فرستادہ الٰہی کی ہے۔ مگر افسوس کہ آپکو پھر بھی ہدایت
نہ ہوئی اور اسکی وفات تو آپنے تصدیق صادق کا سبق حاصل کیا۔ اور آپنے جو صفحہ ۹ سطر ۹ سے الہامات
شیطانی لکھے ہیں وہ سب کے سب تلبیسات الشیطان الا مسیح میں داخل ہیں۔ جو استراق سمع کے ذریعہ
شیاطین الجن والانس نے دساوس کو الٹا پلٹا کیا کرتے ہیں۔ پیشین گوئی نکاح کا جواب شافی وکافی خود حضرت اقدس

نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹ - الاستفتاء صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے اسکو دیکھو۔ اور چونکہ اصول علم تعبیر الرؤیا کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لہذا اگر اس پیشگوئی نکاح کو بموجب اصول علم رؤیا کے بنظر غور دیکھا جاوے تو بالکل مطلع صاف ہے۔ کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتب تعبیر رؤیا میں لکھا ہوا ہے النکاح فی المنام یدل علی المنصب الجلیل۔ دیکھو اتصدیق اسکی اخبارات دنیا میں کی اخبار متعلقہ وفات حضرت مسیح موعودؑ میں آپکے منصب جلیل کی عظمت کو کس تعظیم سے اہل اخبار بیان کرتے ہیں والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ ایضاً ومن نکح عدوہ فانہ یقہرہ۔ کل خاندان اس لڑکی کا آپکا دشمن تھا۔ معہذا بموجب اس تعبیر کے اللہ تعالیٰ نے آپکو انپر ایسا غلبہ عنایت فرمادیا کہ جو اس خاندان کے ممبر دار تھے وہ بیعت میں داخل ہوگئے۔ ایضاً ومن نکح احدا من اخوانہ وصلہ ببر و احسان۔ کون نہیں جانتا کہ آپنے اپنی بنی اعمام اور اخوان کے ساتھ باوجود انکی سخت مخالفت کے کسقدر نیکیاں اور احسان کیے ہیں۔ ایضاً ومن رائی انہ نکح من نساء الجنۃ فانہ ینال من امور الدین علی قدر جمالہا۔ چونکہ جنتیں آسمانوں پر ہیں۔ یعنی عالم بالا میں ہیں۔ لہذا مراد آسمان پر نکاح کی ہو یہی جنتی کی عورت ہوسکتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ امور دین میں جسقدر قلبی کامیابی آپکو حاصل ہوئی ہے۔ وہ اس تیرہ سو برس میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت اقدسؑ نے جو تفسیر اس نکاح کی بابت فرمائی ہے وہ بھی نہایت درجہ پر مبرہن ہے مگر جبکہ اصول علم تعبیر سے دوسری مراد بھی ہوسکتی ہے تو پھر کونسا امر مانع ہے کہ یہ مراد نہ لیجاوے مبشرات اور منذرات کا یہی قاعدہ ہے کہ جب ممکن ہوسکتی ہیں تو پھر بموجب قواعد و اصول کتاب و سنت کے اور موافق محاورات عرب کے جو معنی اسکو صادق آسکتے ہوں وہی مراد الٰہی ضرور ہوتے ہیں دیکھو کتاب الرؤیا کو دواوین حدیث میں اور نیز ان رؤیا کی تعبیر دیکھو جو قرآن مجید میں مذکور ہیں کما قال اللہ تعالیٰ انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتہم لی ساجدین۔ اور پھر دیکھو اس قول حضرت یوسفؑ کو کہ ایک مدت کے بعد اسکو وقوع پر فرماتے ہیں کہ ھذا تاویل رؤیای قد جعلہا ربی حقا۔ اول حصہ اعلام الناس میں اسکے شواہد عشرہ احادیث سے بیان کیے گئے ہیں اسکی طرف رجوع کرو۔ براہین احمدیہ کے بارہ میں جو اعتراض ہے وہ بھی مبنی بر عناد و تعصب ہے۔ چونکہ تین سو

دلایل نمبر ۱ اگرچہ حضرت اقدس کے خاص قلم سے تحریر میں نہیں آئی۔ مگر جسقدر حضرت اقدس کی شایع شدہ کتب اور غیر شایع شدہ کتب زیر طبع ہیں۔ انہیں سے اگر حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے براہین یقینیہ کوئی صاحب جمع کرنا چاہیں۔ تو تین سو براہین سے اضعاف مضاعف جمع کر سکتے ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت میں سے کسی کی قلم سے انکو جمع کرا دیوے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے استدلال کا علم کلام اور اس کے اصول اپنی کتابوں میں ایسے مضبوط اور منضبط فرما دئیے ہیں کہ اب اسکی طرف صرف ایک توجہ نظر قلب کے درکار ہے اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم ویسر لنا سلوک منھجہ القویم۔ امین یا رب العلمین واجعلنا التوفیق لنا خیر رفیق اور مصلحت الٰہی اس میں یہی تھی کہ کسی دوسرے کو بھی اس ثواب میں شریک کر لیا جاوے اور اس بارہ میں خود حضرت اقدس نے آخر کتاب براہین میں بھی ایک اشارہ لطیفہ فرمادیا ہے دیکھو عنوان آخر کتاب کو (ہم اور ہماری کتاب) اسمیں تحریر فرماتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جسقدر اسنے جلد چہارم تک انوار اسلام کے ظاہر کیے ہیں۔ یہ بھی اتمام حجت کے لیے کافی ہیں اور اسکے فضل و کرم سے امید کیجاتی ہے کہ وہ جبتک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلی دور نہ کرے اپنی تائیدات غیبیہ سے مددگار رہیگا اگرچہ اس عاجز کو اپنی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن اس سے نہایت خوشی ہے کہ وہ حی وقیوم کہ جو فنا اور موت سے پاک ہے ہمیشہ تا قیامت دین اسلام کی نصرت میں ہے آخر تک اور آپنے جو صفحہ ۱۴ سطر ۷ میں لکھا ہے کہ مولوی محمد احسن امروہی نے ۱۲۔ اگست ۱۹۰۶ء کو بدر میں بالفاظ ذیل مجھکو دھمکایا تھا لہٰذا آپ خبردار رہیں کہ میں اب بھی وہی شعر بطور تہدید آپکے لیے پڑھتا ہوں ست حملہ بر خود مے کنی ایسادہ مرد + ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آپکی ہفوات اور ہذیات کے استیصال کرنیکے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسے اصول تحریر کرا دئیے ہیں کہ جنسے آپکے ہفوات اور ہذیات سابقہ لاحقہ آیندہ کا استیصال بخوبی ہو گیا ہے اور وہ جملہ اصول اور سب قواعد کلیہ بفضلہ تعالیٰ اس رسالہ میں تحریر ہو گئے ہیں۔ جنسے تمام ہذیانات سابقہ لاحقہ اور آیندہ مثل نسج العنکبوت کے مستاصل ہو گئے اور ہو جاوینگے اور ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت کا نظارہ ناظرین پر منکشف ہو جاویگا

سوال (۱) منارہ بھی ویسا ہی ناتمام رہ گیا۔ صرف بیخ سے کسیقدر اونچا اٹھا ہے اور روپیہ اسکے چندہ کا ادھر ادھر صرف کر دیا گیا۔ ۱۔ **الجواب**۔ کیا سائل کو نہیں معلوم کہ بیت المقدس کی تعمیر

حضرت داؤد نے شروع کی تھی۔ پھر حضرت سلیمان اسکی تعمیر میں مصروف رہے۔ پھر بھی اسکی تعمیر کو مکمل نہ کر سکے اور بیت المقدس انکی وفات کے بعد طیار ہوا۔ دیکھو تفاسیر کو زیر تفسیر آیت فلما قضینا علیہ الموت کے۔ پس ایسے اعتراض بیہودہ کرنا اپنی سفاہت کا اظہار کرنا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ کسیقدر روپیہ دوسرے مصارف تائید اسلام میں صرف کیا گیا تو اس سے کیا محذر شرعی لازم آتا ہے الاہم فالاہم۔ اسلام میں ایک قاعدہ کلیہ ہے تنظیم مسجد کیلیے اگر ایک وقت میں مینارہ مہم معلوم ہوا مگر دراصل مینارہ کونسا ایسا اہم امر تھا جو تمام ضروریات دین سے مقدم کیا جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ بھی اپنے وقت پر طیار ہو جاویگا۔

سوال (۲) مکان خواجہ کمال الدین صاحب میں یہ الہام ہوا تھا کہ انی احافظ کل من فی الدار پھر خود ہی وہاں پر انکی وفات ہوگئی۔ تو یہ الہام کیونکر صادق تسلیم کیا جاوے۔ الجواب۔ معترض کو عجیب جہالت ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ کیا اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ جو کوئی اس مکان میں ہوگا اسکی موت مقدر کبھی نہیں آئیگی اول تو یہ مخصوص ساتھ عذاب طاعون کے ہے۔ پھر اس مکان میں طاعون کب واقع ہوا۔ دوسرے حضرت اقدس کی وفات شریف محبی ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں واقع ہوئی ہے۔ نہ خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں۔ تیسری یہ کہ حضرت اقدس اپنی وفات شریف کی خبر چار پانچ روز پیشتر وفات کے الہاماً فرما رہے ہیں الرحیل ثم الرحیل والموت قریب۔ پھر کیا یہ الہام الرحیل اسکو مستثنیٰ نہیں کر رہا۔ چوتھی یہ کہ جب ہم سب لوگ ہمرکاب حضرت اقدس کو لاہور میں داخل ہوئے۔ خصوصاً جبکہ ان مکانوں میں نازل ہوگئے۔ تو وہاں پر مچھر ونکی اسقدر کثرت تھی۔ کہ الاماں! الاماں! اسلیے اکثر احباب کو یہ خیال آیا کہ آجکل کے ڈاکٹروں نے یہ خیال کیا ہے کہ مادہ طاعون کا مچھروں میں بھی ہے۔ پس اس خیال کو رد کے لیے یہ الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار جو صاف قرینہ اس امر کا ہے کہ مراد حفاظت سے کیسوقت مقدر تک طاعون سے حفاظت ہے۔ لاغیر قید وقت کے ساتھ مقدر کے اسلیے کیگئی ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم وارد ہے۔

سوال (۳) مرزا صاحب کا تو ایک یہ بھی الہام تھا کہ تمھاری جوانی پھر لوٹ کر آویگی۔ یہ کیسی جوانی

لوٹ کر آئی کہ وفات پا گئے۔ یہ الہام کیونکر صادق ہو سکتا ہے۔ **الجواب** افسوس کہ مخالفین اسی حیات دنیا کو حیات سمجھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک حیات طیبہ مومنین مخلصین کے لیے ایسی آنیوالی ہے کہ جسمیں ایک عمدہ جوانی بھی لوٹ کر آ جاویگی قال اللہ تعالیٰ انا انشأناهن انشاءً فجعلناهن ابکاراً عرباً اترابا لاصحاب الیمین یعنی تحقیق ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ہیں۔ ایک عمدہ اٹھان پر پھر کر دیا ہے ہم نے انکو کنواریاں پیار دلاتیاں اور ہمعمر کردیا واسطے اصحاب یمین کے۔ پس یہ الہام حضرت کو بشارت دیتا ہے کہ آپ اصحاب الیمین سے ہی ہیں جو آپکے انوار شباب کے لوٹ کر آ جاوینگے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر وفات کے ممکن نہیں۔ دوسرا دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے اور دوبارہ زندگی آنیوالی ایسی نہیں ہے کہ جسمیں بڑھاپا اور اسکی تکالیف میں مومن مبتلا ہو۔ گر کیا کیجیے کہ تمہاری نظر صرف اسی دنیا پر ہے واطمئنوا بہا یعنی بالحیوٰۃ الدنیا کے یہ مصداق ہیں جو ایسے بیہودہ اعتراض کرتے ہیں افسوس ہے آجکل کے یہودی مولویوں پر کہ ایسے بیہودہ اعتراض جنکا جواب کتاب سنت میں موجود ہے بسبب اپنی جہالت کے ابتک کیے جاتے ہیں۔ غیر اہل اسلام جو منصف اور محقق ہیں حضرت اقدس کی ان کارروائیوں پر نظر کر کے کہ جو انہوں نے مانند انبیائے اولوالعزم کے تائید دین اسلام کے لیے کیں ہیں مدح و ثنا کرتے ہیں چنانچہ پاؤنیر کا ایڈیٹر محقق بعد مدح و ثنا حضرت اقدس کے آخر میں لکھتا ہے کہ "بہرحال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو دنیا میں ہر روز نہیں آیا کرتے۔ اُسکی قبر پر رحمت ہوگی" (پاؤنیر نمبر ۱۳۳ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء وغیرہ) ہے اور اگر اسی جگہ ریویو میں گنجائش باقی ہوتی تو بقیہ وساوس مندرجہ المسیح الدجال اور کانے دجال کا بھی استیصال بہیچ کر دیا جاتا۔ اب جبتک رمق حیات فانی باقی ہے قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس پڑھتا رہونگا کیونکہ ایسا بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ آپکا لقب دجال اسیطرح سے چسپاں ہے جس طرح پر مسیلمہ کذاب کا لقب جو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلا تھا وہ لقب قیامت تک باقی رہا آپکے لیے لقب کانے دجال کا جو خود آپکے ہی ہاتھ اور قلم سے نکلا ہے قیامت تک باقی رہیگا۔ ؎

بو مسیلم را لقب کذاب ماند ۔ مر محمدؐ را اولوالالباب ماند ۔ محررہ ہشتم جون ۱۹۰۸ء (باقی آیندہ) کتبہ السید محمد احسن امروہی

وفات مسیح موعودؑ

(از خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نورالدین صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و آلہ مع البرکات والتسلیم

اما بعد

فاشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

ثم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

۱- ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ۔

۲- ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل - افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم - ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین -

ان دونوں آیتوں پر غور کریں - کیا فرماتی ہیں - اگر پہلی آیت کریمہ مسیح ابن مریم کو رسول فرماکر اسکے گذر جانیکا ذکر فرماتی ہے - تو دوسری آیت بینہ کیا ہی دلربا تعلیم دیتی ہے - کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے خاتم النبیین رسول رب العالمین کو اگر موت آجاوے یا وہ بالفرض قتل کیے جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر پس وہ ہرگز ضرر نہ دے سکیگا اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی - اور عنقریب ہی اللہ بدلہ دیگا ان قدر کرنیوالوں کو - کیا معنے حضرت نبی کریمؐ کے اللہ نے تمکو جن بداعتقادیوں اور بدچلنیوں سے - ایک پاک روح کی طفیل

نکالا۔ کیا اسکے مرجانیکے بعد تم ان عقاید غیر صحیحہ اور اقوال و افعال و اعمال باطلہ کیطرف پھر رجوع کر جاؤ گے؟ ایسا نہ کرنا کیونکہ وہ اعمال و افعال و اقوال بہرحال گھنونے اور اسی لائق تھے کہ انکو ترک کیا جاوے۔ وہ تو کسی طرح بھی قابل عملدرآمد نہیں تھے۔ رہے تمہارے مشکلات اور وہ ابتلا جو تمکو اپنے ہادی کے بعد آئیں گے سو انکی پروا مت کرنا تم نے اس پاک وجود کی اور اسکی پاک تعلیم کی قدر کی اور اُسکے شکر گذار ہوئے تو اللہ تعالیٰ بھی جو حقیقی شکور ہے۔ بڑا قدردان۔ اور بڑے بدلے دینے والا ہے۔ کیا معنے تمکو بڑھ چڑھ کر ضرور اِس قدر کا بدلہ دیگا۔ جب اس نے بدلہ دیا تو کیا وہ تمکو تباہ کر دیگا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا پس تم ہرگز تباہ نہ ہوگے۔ حضرت امام خود اپنی الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ میں اپنی وفات کا ذکر فرماتے ہوئے اور مخالفوں کی جھوٹی خوشیوں کو جناب الٰہی سے پامال کر دکھانیکا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور قوم کو مخاطب فرماکر ارشاد کرتے ہیں۔ ”غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لیے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضرور ہے۔ اور اُسکا آنا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جسکا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں“۔ موت کا آنا سب کے لیے جو مخلوق ہوا ضروری ہے کل نفس ذائقۃ الموت بلا استثنا یہ ایک عام قاعدہ اول تو منصوص پھر موجود و مشہود ہے۔ اس سچے قاعدہ کے مطابق قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ موت جب سامنے حاضر ہو تو وصیت کا کرنا تمہارے لیے ایک ضروری اور فرض کام ہے اس پر اس امام نے کیسا عمل کیا ہے! اس نص کو سن لو۔ اور پھر اس عمل و درآمد کو دیکھ لو۔ نص یہ ہے

کُتِبَ علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرًا الوصیۃ

اور اسپر جو عمل و درآمد اس کامل انسان نے فرمایا وہ رسالہ الوصیۃ میں ملاحظہ کرو۔ صفحہ نمبر ۲ سطر ۴ سے فرماتے ہیں ”میرا زمانہ وفات نزدیک ہے“ (یہ حضر احدکم الموت

لکھا گیا ہے تمپر جب حاضر ہو تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑا کسی خیر کو ایک وصیت۔ منہ

کا بیان ہے) اور اس بارہ میں اس کی وحی اسقدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ قرب اجلك المقدر الیٰ آخره۔ قل میعاد ربك الیٰ آخره۔ جاء وقتك الیٰ آخره۔" اور صفحہ نمبر ۳ سطر ۱۱ میں ہے "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی" ان الہامات پر ایک سعادتمند دل غور کریں۔ پھر صفحہ نمبر ۸ کی سطر ۱۰ سے فرماتے ہیں۔ "اور راستباز جس راستبازی کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اسکی تخمریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کردیتا ہے۔ لیکن اسکی پوری تکمیل انکے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُنکو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقع دیدیتا ہے۔" اس آپکے پاک کلام سے کیسا واضح ہوتا ہے کہ آپ کو قرب اجل کی خبر دیگئی اور آپنے الوصیۃ لکھدی اور اس حالت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا آپ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک طرف موت ہے۔ دوسری طرف دشمن ہنستا ہے۔ سامنے قوم ہے۔ ان کلمات طیبات اور اس نظارہ کو جو آپکی وفات کے بعد لاہور میں ہمنے دیکھا ہے کوئی عقلمند سعید دیکھے۔ اور بے باک مرتد کا ٹریکٹ اسپر طرہ اور امرتسری مولوی کا اشتہار علاوہ برین ہو۔ تو قدرت کا مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ خدا کی باتیں کیسی سچی ہوتی ہیں جو وہ اپنے بندوں سے فرماتا۔ اور انکے مُنہ سے نکلواتا ہے۔ اب آپکی وفات تو ہوچکی۔ اور ہم نے دیکھ لی اور وہ صداقت بھی ظاہر ہوچکی جسکا ذکر فرمایا کہ لوگ ہنسی۔ ٹھٹھا کریں گے تو اب الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ سطر اول میں جو ارشاد فرماتے ہیں۔ اسکو پڑھیں "نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہوجاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں (جیسے ہم کو لاہور میں ایسا تنگ کرنا چاہا کہ گویا اب ہم کو کھالیں گے۔ اُسوقت ابر رحمت کی طرح پولیس آگئی اور مسخرے خائب و خاسر بھاگے) اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کرلیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہوجائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑجاتے ہیں اور

انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور کئی بد قسمت مرتد ہونیکی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔
تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ (پہلی مرتبہ تو اس امامؑ کے وقت میں ان لوگوں نے ناخنوں
تک زور لگایا اور جہاں تک انسے ہوسکا جان و دل سے سر توڑ کوششیں کیں پر الٰہی
قدرت نے آخر ایک ممتاز جماعت قایم کر دی) اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے
اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو آخر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ
کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا۔"

عزیزان غور کرو! آپکے بعد معاً۔ دفن سے پہلے۔ جماعت میں بلا اختلاف
شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک وحدت کی روح اللہ قادر مقتدر نے کسطرح
پھونک دی۔ ؎ اے خدا قربان احسانت شوم۔ اب ایک مسلمان۔ ایک
مدبّر۔ ایک عاقبت اندیش اور ایک دنیا کے حوادث کو دیکھنے والا غور کرے حضرت
میرزا کا ایک کیا چار بیٹے اور پوتا موجود۔ میرزا کا داماد محمد و علی نام کا مجموعہ قابل قدر اور
لایق موجود۔ میرزا کا خسر بجائے باپ موجود ہے۔ اور تمام قوم نے ایک اجنبی کے
ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب خدا را اس آیت کریمہ کو پڑھو۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اور اگر چاہیں گے وہ کہ دھوکہ دیں تجھ۔ تو سن لے بے ریب اللہ ہی بس ہے تجھ۔ وہ وہی جس نے تائید کی تیری اپنی نصرت سے اور مومنوں کے ساتھ۔
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔	اور الفت ڈالدی انکے دلوں میں اگر خرچ کرتا تو جو کچھ اس زمین میں ہے سب کا سب الفت دے سکتا تو انکے دلوں میں۔ لاکن اللہ نے الفت دی انکے درمیان تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ کو عملی رنگ میں کوئی دکھائے کہ جن مشکلات میں ہم کو ہمارے گدی نشینوں

اور علما - پھر چلتے پرزوں اور مرتدوں نے ڈالنا چاہا ہمیں ہمارے مولیٰ ہمارے ناصر ہمارے ہاتھ اور ہماری کمروں کو تھامنے والے الحیّ القیوم نے کیسا بچایا - الحمد للہ رب العٰلمین - الرّحمٰن الرّحیم - مالک یوم الدّین -

ہمارے ملک ہیں - یا ہمارے ملک میں سے سید محمد[1] جونپوری - علی متقی[2] شیخ شیخ عبدالحق محدث دہلوی - الشیخ المجدد[3] الالف الثانی - شاہ ولی اللہ[4] - اور سید احمد[5] بریلوی یہ لوگ ہیں جنہوں نے دعاوی مجددیت کے کیے اور لوگوں نے بھی انکو مجدد مانا - انکے کارنامے بحمد اللہ ہم سے مخفی نہیں مگر جو کچھ اس شخص[۱۳۲۶] مغفور نے کرکے دکھایا اسکا مقابلہ سوائے عقلمندوں کے کون کرے - اللہ تعالیٰ کو توفیق ہے کہ آنکھیں کھولدے کیونکہ

۱ - اوّل آپنے تمام دنیا کو دعوت کی اور انگریزی و اردو میں بیس ہزار اشتہار سے اعلان کیا کہ الاسلام حق[۲] دہریہ - کیواسطے قرآنی صدہا پیشین گوئیوں اور اپنے متعلق ایک بڑا مجموعہ بشارات کا اور قبل از وقت اخبار کا پیش کرکے معرفت الٰہیہ کا دروازہ کھولدیا ہے گو ہمارے مخالف خدا کے ماننے والے اس راہ میں مشکلات ڈالتے رہے اور ڈالتے ہیں کہ بعض بشارات پوری نہیں ہوئیں - مگر عقلمند جانتے ہیں کہ مفید و راحت بخش تدابیر اپنی کثرت کے لحاظ سے مفید بقین کیجاتی ہیں نہ اس لیے کہ وہ کبھی مستثنیات بھی رکھتی ہیں - ۳ - پھر آریہ کے لیے براہین - سرمہ چشم آریہ شحنۂ حق آریہ دھرم قادیان کے آریہ اور ہم - چشمہ معرفت وغیرہا کتابیں لکھکر اہل اسلام کو انکے شر سے آگاہ فرمایا -

۴ - اور سکھوں کے لیے ست بچن - ہی پر بس نہ کی بلکہ چولہ صاحب ایک اور قرآن کریم کو منجملہ تبرکات بابا نانک جی ثابت کرکے جنم ساکھی بھائی بالا[۳] سے قوم سکھ کو جگایا اور خوب جگایا انپر حجت قایم کردی ۵ - پھر برہمو دھرم کو براہین احمدیہ لکھ کر بیدار فرمایا کہ الہام کیا ہے اور اسکی لامحدودیت کیا ہے اور کسطرح ہوتا ہے اور خدا سے تک وہ کیوں قدم نہیں اٹھاتے - اگرچہ ہونا چاہیئے تک وہ پہنچ گئے ہیں - ۶ - دار السلطنت

لاہور۔ میں اول تو فیصلہ آسمانی خود سنایا۔ جلسہ اعظم مذاہب ہوتسو میں کیسا جامع دمانع عظیم الشان خطبہ سنا کہ اپنے کام سے سبکدوش ہو چکے پھر ایک اور لیکچر تیسری بار۔ اس کے بعد پھر اسلیے کہ آخر دارالسلطنت ہے آریہ کے جلسہ میں اپنی جماعت کو ایک مضمون دیکر بھیجا اور آخری اُنکا حملہ جو بڑے ہی زور شور سے ہوا اسکا بذاتِ خود جواب دیکر چشمۂ معرفت کا مُنہ کھول دیا۔ پھر اسپر بس نہ کی۔ وہاں کے عمائد و اراکین کو اپنے مکان پر بلایا اور دعوت دی اور اپنی تعلیم و دعویٰ کو نہایت ہی مدلل پیش کیا اور آخری پیغام صلح اسی لاہور میں دیکر اپنے فرائض منصبی کو پورا کر دیا جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ ۷۔ مسیحی لوگوں کی مذہبی لڑائی میں تو آپکا عہدہ ہی آپکو شامل کر چکا تھا۔ اس لیے اول تو دعاؤں سے کام لینا اُنکا اصل فرض تھا کیونکہ یہی ایک ہتھیار خصوصیت سے انکو دیا گیا تھا۔ کوئی غور کرے کہ اس تیس پینتیس برس میں اس قوم کے اندر کیسا خطرناک کیڑا لگا ہے۔ کہ تثلیث یا ثالوث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کا پہاڑ گرا کہ گرا۔ اسقدر اعلان و اشتہار شایع کیے کہ اس گانوں میں ایسے عظیم الشان کام پر تعجب آتا ہے۔ پھر اقوال موجہ و اصول صادقہ کا وہ مستحکم پہاڑ بنایا ہے کہ اس ذوالقرنینی سد کو اب یاجوج ماجوج نہیں توڑ سکیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سعدی علیہ الرحمۃ تو۔ ع تراسد یاجوج کفر از زرست۔ لکھکر اسلامیوں کی کمزوری ظاہر کر کے اپنے ممدوح کو جزبہ دینو الا کفار کا جگزار بناتا ہے۔ مگر اس امام نے واقعی ایک ایسی سد بنادی ہے کہ اسکا توڑنا اب انسانی کام نہیں رہا۔ مثلث ؑ مثلاً میں ایک اینٹ اس دیوار کی پیش کرتا ہوں۔ جنگ مقدس میں آپ فرماتے ہیں۔

آسمانی کامل کتاب کا ایک نشان یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دعاوی اور ان دعاوی کے دلایل خود پیش کرے تو کہ اُس حیّ قیوم کے کلام کو دوسرے کا سہارا نہ لینا پڑے۔ اگر وہ کتاب اعلیٰ صداقتیں پیش کرے تو ان صداقتوں کے دلایل بھی آپ ہی دے۔

اور اگر کسی بطلان کا بیان کرے۔ تو وجوہ بطلان بھی اپنے دلایل نیرہ سے بتاوے۔ پھر آپ نے قرآنی تعلیمات کو اسطرح تمثیلات سے دکھایا۔ نیز مرزا صاحب نے بتایا کہ کامل کتاب اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہیں بتا کر کل کو نہ سہی بعض متبعین کو تو مکالمات الٰہیہ کے شرف سے مشرف فرماوے۔ ایسا خدا تو نہ بتاوے جیسا یہود کی ملامت کا باعث انکا بچھڑ و معبود خدا اٹھرایا گیا جسپر اللہ فرماتا ہے انہ لا یکلمھم و لا یھدیھم سبیلا۔ ترجمہ بچھڑ کو کیونکر معبود بناتے ہیں۔ تحقیق وہ تو انسے کلام نہیں کرتا اور انکو نیک راہ نہیں بتاتا۔ ۸۔ سید احمد خانی جماعت کو روباصلاح لانیکے لیے برکات الدعا۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں ایک چٹھی لکھی۔ اور انکے فلسفیانہ خدا اور فلسفیانہ الہام کے بدلہ اسلامی قادر مقتدر اپنے پیاروں سے کلام کرنیوالے خدا کی طرف راہ نمائی فرمائی بہت متصوف گدی نشینوں۔ اور بہی علما کو اقسام مواعظ و تعلیمات صحیحہ۔ دعاؤں کے طریق بتا کر بہی راہ دکھائی۔ اور بقیۃ السیف کو اعجازی تحریر۔ اور سیفیوں کو بیکار دکھا کر اندر ہی اندر نادم کردیا۔ ۹۔ مسئلہ حیات و ممات مسیح اسرائیلی پر جو آپکے دعاوی کی اصل بنیاد اور ابطال مذہب مسیحی کے لیے بے نظیر حربہ تھا۔ وہ بسط کیا ہے کہ اسپر اب بحث کا موقع ہی نہیں رہا۔ ۱۰۔ اپنے مقناطیسی جذب سے جو حقیقۃً بالکل الٰہی فضل تھا۔ وہ طاقت دکھائی کہ مخالفوں نے بہیئت اجماعیہ ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر آپکی روزانہ روز افزوں ترقی کو کوئی روک نہ سکا۔ ۱۱۔ زندگی میں سر الخلافہ لکھ کر۔ اور وفات میں قوم کی روحانی ترقی کا معجزہ دکھا کر ثابت کردیا کہ حضرت نبی کریم کی وفات پر خلافت کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ دیکھتے نہیں کہ نبی کریم کے ایک غلام اور اس کے جانشین کے روبرو آپکے چار بیٹے۔ دو پوتا اور ایک لائق داماد اور ایک سید خسر موجود ہے۔ اور وہ ہمہ تن اس آدمی کے ماتحت جو نہ مغل اور نہ ترک اور نہ انکا رشتہ دار جتنا قرشیت کے لحاظ سے صدیق اکبرؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق حاصل تھا۔ اس موجودہ اتفاق و وحدت سی ہمارے

۲۱۷

احباب فایدہ اُٹھائیں۔ ۱۲۔آدم سے لیکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کو یہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ عیسائیوں کے خدا صاحب عیسائیوں کے نزدیک حتیٰ کہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے اور انکے مطاع مکرم جسطرح ہولی لینڈ میں جا برا جو اُنپر ظاہر ہے۔گو ہم مسلمان انکی وجاہت و کامیابی کے قائل ہیں مصلحان ملک نے کبھی ایسی کامیابی کا مُنہ نہ دیکھا اگر آخر آپکے جانشینوں نے ہی بتدریج تمام مراکز مذاہب یروشلم اور آتش کدہ آزر وغیرہ کو فتح کرلیا۔ پھر اصلی آیت کریمہ کا آخری حصہ لیتے ہیں پس کیا آپکی وفات پر (صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ فرض کرلیں کہ اگر آپ قتل بھی ہوجاتے۔ تو کیا آپکے تعلیم یافتہ لوگ شرک و کفر۔ اور اُن بداعمالیوں کو جنمیں ملک گرفتار تھا پھر اختیار کرتے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ایسا ہی اسوقت دنیا نے دنیا کو دین پر مقدم کرلیا تھا اور حیات مسیح کے مسئلہ نے مسیحی مذہب کی کمر کو مضبوط کردیا تھا۔ اور آپکے نزول جسمانی کے توہمات نے مسیحیوں کے ساتھ مسلمانوں کو بولنے کے قابل نہ رکھا تھا۔ رُویا۔ کشوف وحی کا مسئلہ ہنسی و تمسخر میں اُڑایا جاتا تھا۔ اور مسیح کا بت ایسا قایم کیا گیا کہ کروڑوں روپیہ سالانہ اس بت کی خاطر پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ اور شراب خواری۔ جوا بازی۔ اور قسم قسم کی سود خواری جسنے مسلمانوں کی زمینیں اور وجاہت کو کھالیا۔ اور شریعت کے ناواقفوں نے مسئلہ ربا میں یہاں تک بیحیائی سے کام لیا کہ ربا کے معنے ہی گویا کسی کو نہیں آتے۔ ربا جیسا خطرناک گناہ جسکی نسبت حرم الربا اور فاذنوا بحرب من اللہ کا فتویٰ موجود ہے ہر روز مسلمانوں پر ربا کے باعث ڈگریاں ہوں اور انکے اموال و زمینیں تباہ ہوں اور ہمارے محقق الربا کہتے جاویں کہ ربا کے معنے تو حضرت عمرؓ کو بھی معلوم نہ تھے ایک دوکاندار ایک ادنیٰ بچہ بے پاری تو اسکے معنے جانتا ہو مگر عمر رضی اللہ عنہ اسکے معنے سے بیخبر ہوں دینی غفلت کا یہ حال ہوگیا تھا کہ ایک ریفارمر نوجوان نے مجھے فرمایا کہ کوشش کرو کہ لوگ صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوادیں اور بس۔ کسی عمل و اعتقاد کی ضرورت نہ رہے۔ اور دعا

کی تاثیرات دعا کی حقیقت اور دعا جیسے عظیم الشان سبب حصول مرادات کو محض لغو قرار دیا جا رہا تھا۔ ایسے وقت ایک نور اُترا اور اس نے علاوہ مکارم اخلاق اور معاشرت و تمدن و اطاعت اولو الامر اور تمام خوبی بھری تعلیموں کے ہمکو اعلیٰ اصل یہ سکھایا کہ ہم گندی زندگی سے توبہ کریں۔ اور آیندہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ اور سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روحوں کو اس تعلیم کے ساتھ نجات دیدی۔ اور اس تعلیم کی قریبًا پچتیس برس آبپاشی کرکے آخر اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة کا سبق دیکر قریب تھا کہ رخصت ہو جاتا مگر صرف مولیٰ کا احسان ہوا۔ کہ حقیقتہ الوحی۔* چشمہ معرفت اور پیغام صلح لکھ کر اور لاہور میں امراکو بلاکر حجت قایم کرکے اس دنیا سے حسب بشارات چلدیا۔

(۱) بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید دبدر ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ (۲) ڈرو مت مومنو (۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء) (۳) تیری خوش زندگی کا سامان ہوگیا ہے۔ (۴) سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہوکر دعا کرتے رہو۔ الوصیۃ

اب وہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے۔ کیا تمام مخالفوں۔ مرتدوں۔ دشمنوں کا قلع و قمع کرکے اپنے جانشینوں کو مساعی جمیلہ اور کوشش و اجتہاد سے محروم کرکے جاتے۔ اور جو ترقیات ابتلاؤں محنتوں سے ہوتی ہیں اور جو جو نیک بدلے اور صلوات و رحمتیں و برکات صبر پر ملتی ہیں۔ ایسے ہم لوگوں کو محروم کر جاتے۔ عزیزان! یہ لوگ دنیا کے لیے نور۔ رحمت اور برکت ہوتے ہیں جب دنیا روحانی دکھوں میں مبتلا ہوکر تباہ ہونیکو ہوتی ہے جیسا ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون سے ظاہر ہے۔ کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ کا رحم۔ کرم۔ ستاری۔ غنائے ذاتی اور بے پروائی کام کرتی ہے اور بدکار کو اسکی بدکاری پر عفو و درگذر سے کام لیتا ہے۔

* انکے علاوہ چشمہ مسیحی اور قادیان کے آریہ اور ہم۔ عیسائیوں اور آریوں کے لیے قلم برداشتہ لکھیں منہ

اور پھر ایک اور وقت آتا ہے کہ چور پکڑا جاتا ہے ڈاکو کو سزا ملتی ہے اور ظالم اپنے ظلم کا پھل کھاتا ہے۔ سزا کا زمانہ آنے سے کچھ طبائع میں نئے زمانہ کا شوق پیدا ہوجاتا اور اپنے موجودہ حالات سے گونہ سیری ہی نہیں ہوجاتے بلکہ تنگ آجاتے ہیں۔ ادھر حق کی تڑپ بعض نفوس میں پیدا ہوجاتی ہے دنیا کی بے ثباتی کثرت اموات اور دنیا کے مشکلات کی حقیقت قحطوں اور جنگوں سے سامنے آجاتی ہے؎۔ آپکے زمانہ کو دیکھو۔ قحط کے علاوہ جنگ ٹرنسوال و برطانیہ اور روس و جاپان نے کیسی جوانوں کے اقارب واحباب میں دنیا کی بے ثباتی کے نقشہ کو پیش کیا اور قحط نے کنبہ والوں کو کن مشکلات کا نظارہ دکھایا۔ پھر طاعون نے بقیۃ السیف اور بقیۃ القحط لوگوں کو کیا وعظ کیا۔ بائبل کا مجموعہ صدہا تراجم کے ذریعہ خدا کے نام سے آگاہ کرکے لوگوں کو ملزم کرچکا اور پھر قرآن کریم اپنے تراجم کے ساتھ اور اس ملک میں برہمو ہر اسکے بعد آریہ نے بھی اوم نام پیش کرکے ہندوستان کو بہت وعظ کیا یہ تو عام کارروائی اور حجت ملزمہ تھی مگر پنجاب میں خصوصیت سے ایک اس انسان حضرت میرزا نے پیدا ہوکر تمام دنیا میں ایک انقلاب ڈال دیا اور اس طرح ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنٰھم بالباساء والضراء لعلھم یضرعون۔ کی تصدیق کردی۔ غرض یہ لوگ قسم قسم کی بداعمالیوں اور روحانی بیماریوں میں مخلوق کو گرفتار دیکھ کر انکے لیے کبھی تڑپتے اور گاہے خفا ہوکر بداعتقادوں شوخوں پر بددعائیں کرتے ہیں کبھی مدلل کلام سے ایک حصہ ملک اور سعادتمند انسانوں کو آگاہ فرماتے اور کبھی اس جمالی رنگ سے جلالی رنگ میں جھڑکیاں دیتے ہیں۔ یہانتک کہ اس مزرعۃ الآخرت میں جنتی طوبےٰ کا بیج بو دیتے ہیں اور اس پاک درخت کو بوکر اپنی پاک توجہات۔ دعاؤں۔ عقد ہمت سے اپنے اقوال واحوال اور اعمال وافعال سے اسکی آبپاشی کرکے اسکی جڑھیں مضبوط پاکر ملاء اعلیٰ سے جا ملتے ہیں۔ کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوٰی علیٰ سوقہ

؎ اس سنت اللہ پر غور کرو اور پھر غور کرو

یعجب الزراع۔ اور سورہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح پر تدبر کرو۔ یہ آیۃ اور سورہ کریمہ دو بڑی گواہ میرے اس کلام پر ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متمم مکارم اخلاق اور انسانی شخصی اصلاح۔ معاشرت و خانہ داری۔ اپنے و بیگانے سے تعلقات کیسے چاہیئے۔ عبادات و معاملات سیاست و تمدن اور اطاعت اولی الامر وغیرہ وغیرہ کی اصلاحات کیلیے دنیا میں رونق افروز ہوئے۔ مگر اصل اصول آپ کی تعلیمات کا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ تھا۔ جب یہ مضمون مکہ و مدینہ اور انکے نواحی میں قایم ہوگیا۔ تو داعی اجل کو لبیک کہدی۔ ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع حجۃ الوداع میں الا ھل بلغت پکار کر۔ ۸۱ روز بعد اس دنیا سے کوچ کر دیا۔ مگر جو بیج بویا تھا اسکا وہ درخت بنا جس نے پہلے تمام عرب پر اپنا سایہ کر دیا اور یہ واقع دنیوی تاریخ میں سپر نیچر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ تاریخ کے صفحہ پر ایسا عملی رنگ کسی مصلح کے زمانہ کا نظر نہیں آتا۔ خیر بہرحال اب دشمن جلسے کریں اور خوشیاں منائیں۔ پہلی زبردست قدرت الٰہیہ اور نصرت الٰہیہ کو تو دیکھ چکے ہیں۔ اور دوسری قدرت کا تماشا دیکھیں۔ اب یہ درخت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسے محفوظ رہا ہے ویسا ہی اب پھولیگا اور پھلے گا اگر ہم میں انکو کارکن لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں۔ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذاہب کے روسے صحابہ کرام میں فقہا کتنے تھے انکی تعداد دکھائیں۔ اور خالد بن ولید جیسے سپاہی کتنے تھے انکی تعداد پیش کریں۔ اور قدرت کا نمونہ دیکھیں۔

برادران۔ وفات مسیح کا مسئلہ بھی منجملہ عجائبات الٰہیہ و اسرار خداوندی کے ہے کیونکہ ہمارے امام علی نبینا محمد و علیہ الصلوٰۃ و السلام ہمیشہ اپنے ایام زندگی میں مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام پر اپنی تعلیمات میں زور دیتے ہی رہے۔ اور اپنی پرزور تقریر و تحریر و عقد ہمت سے اس مسئلہ کو اجلٰے بدیہیات سے کر کے دکھایا۔ اور ہزار ہا قلموں اور تقریروں کے

سامنے یہ جری اللہ آخر فتح مند ہوا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء آمین۔ اور آپکی وفات کے بعد معاً آپکے احباب پر اسی مسئلہ وفاتِ مسیح کے بارہ میں ہی دشمن نے حملہ کردیا۔ الٰہی تیری پاک ذات بڑے بڑے عجائبات کا سرچشمہ ہے۔ ایک عقلمند۔ عاقبت اندیش اور خداترس دنیا کی بےثبات ایام زندگی کو دیکھنے والا کیسے کیسے سبق سیکھ سکتا ہے اگر توفیق بھی اسکی دستگیر ہو۔ ہمارے مخالف جلد بازو! کچھ تو صبر سے بھی تم کام لیتے۔ تم نے پہلی قدرت کا نمونہ دیکھا تھا۔ دوسری کیلیے صبر کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آئی صبر کے اجر انشاء اللہ تعالیٰ رکھے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہمارے امام نے انتقال کیا اور ظاہر ہے کہ رئیس جماعت اور اُنکا امام جب انتقال کرتا ہے تو اسکی جماعت کو نفس اس واقعہ سے کیا ابتلاء آتا ہے۔ اور دشمن بھی مانتا ہے۔ کہ یہ واقعہ بےریب ہمارے لیے رنج دہ واقعہ ضرور ہے۔ مگر ہم نے اسپر صبر سے کام لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا و اخلف لنا خیراً منہا و عضنا خیراً منہا۔ مگر تم نے ہماری تعزیت پر سوانگ بھرے۔ تمہاری پروفیسر اور صوفی نے سوانگ بھرنے والوں کو اعزازی خطاب خادم دین کا دیا۔ تمام دنیا میں بُرے یا بھلے مرے ہیں اہل اسلام کی تعلیمات میں کیا تم نے یہ تعلیم کہیں پڑھی ہے؟ کہ یہ طریق تعزیت کب سے معمول اہل اسلام ہوا؟ اللہ کس نے اسکی ابتدا سے من سن سنۃ سیئۃً کا تمغہ لیا؟ عزیزان۔ اللہ تعالیٰ کے تمام کام بےریب حق و حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہر ایک کام میں اسکی ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت جوش زن رہتی ہے۔

؎ ہر بلا کاین قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است۔ ہاں تعلیم۔ دعملدرآمد۔ اور متبعین پر جو اثر اس تعلیم و عمل و درآمد کا ہونا ہے وہی عاقبت اندیش انسان کے لیے آخری کامیابی کا معیار ہوا کرتا ہے۔ بہرحال پہلے مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ کی طرح یہ مسئلہ وفات الامامات صحیحہ اور رسالہ الوصیۃ سے تکمیل کو پہنچ چکا تھا

بدر ۲۹- دسمبر ۱۹۰۷ء - "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید" "ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیرٌ و ابقیٰ" "خوشیاں منائیں گے"

بدر - ۲۶ - مئی ۱۹۰۸ء - (۲ مئی ۱۹۰۸ء کا الہام ہے) "الرحیل ثم الرحیل والموت قریب" ۱۵ - مئی ۱۹۰۸ء "ڈرو مت - مومنو"!

۱۰- نومبر ۱۹۰۷ء "موت قریب ہے ان اللہ یحمل کل حمل"۔

قادیان کے آریہ اور ہم

وہ دن گئے کہ راتیں کٹتی تھیں کر کے باتیں ؛ اب موت کی ہیں گھاتیں غم کی گھٹا یہی ہے

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی ؛ دے شربتِ تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

حقیقۃ الوحی صفحہ اخیر

چہرہ دکھلا کر مجھے کر دیجئے غم سے رہا ؛ کب تلک لمبے چلے جائیں گے ترسانیکے دن

بدر نمبر ۱۸ جلد ۲ "دشمن کا بھی ایک وار نکلا - و تلک الایام نداولھا بین الناس" پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ہماری عادت ہے کہ کبھی ہم دشمن دین کو بھی خوش کر دیا کرتے ہیں" ۲۶ - اپریل ۱۹۰۸ء "ماتم کدہ - منسوخ شدہ زندگی" ۲۶ - اپریل ۱۹۰۸ء مباش ایمن از بازیٔ روزگار"

اور امام نے الوصیۃ کو لکھ کر اپنے ایسے بہت سے الہامات کی عملاً تصدیق فرمادی۔ اب الوصیۃ کو دیکھ کر کب قابل وقعت ہے، وہ جو اپنے منہ سے کہہ چکا ہے کہ وہ بیس برس متواتر اسکا متبع رہا جسکو وہ خود خاک بدہنش کہتا ہے۔ جو کہتا ہے اور جس کی اتباع میں وہ بیس ہزار روپیہ برباد کر چکا ہے (گو اسکا یہ خرچ میرے جیسے انسان کے لیے تامل کا مقام ہے کیونکہ میں بھی تجربہ کار ہوں) اور جس نے بار بار کہا ہے کہ یا تینی صادق و کاذب - اور جس نے دیکھ لیا کہ صدق کی عمارت قایم ہے - اس لیے وہ راستباز ہلاک نہیں ہوا اور جسکی نزدیک

کسی راستباز کا ماننا ضروری ہی نہیں۔ کیونکہ نجات کی راہیں بے انت ہیں۔ اور جس کے شہر میں ایک نے حضرت خاتم النبیین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ الی یوم الدین کو مسیح الدجال کہکر ایک کتاب لکھی جسکا نام مسیح الدجال تھا اور اب خود اپنا نام الذکر الحکیم معروف کانا دجال کہکر اپنے آپکو پہلے کا جانشین بنایا۔ اللّٰھم انا نجعلك فی نحور الاعداء ونعوذ بك من شرور الاعداء۔ اللّٰھم اکفنا شرھم بما شئت۔ ہمیں اپنے اعدا پر تعجب بھی آتا ہے۔ کیونکہ عبدالحکیم بھی اپنی نسبت انك لمن المرسلین اور انا ارسلناك بالحق بشیراً و نذیراً۔ اور مسیح۔ و محمد و ابراہیم۔ موسیٰ و عیسیٰ بننے کا مدعی ہے۔ پھر پیسہ اخبار۔ اور مولویصاجبان کا اس کی نسبت کوئی جوش نہیں اسکا کیا بھید ہے؟

بہرحال حضرت مرزا کی وفات پر جن مشکلات کا ہمیں خیال ہو سکتا تھا کہ ہمارے سامنے ہونگی ان کے علاوہ لاہور کے عوام کا وہ شور و غل تھا جسکا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ لوگ ہمیں گاڑی تک بھی نہ پہنچنے دیتے کہ معًا اللہ تعالیٰ نے ابر رحمت کی طرح پولیس ہمارے لیے بھیجدی۔ اور گورنمنٹ کا دل سے شکریہ کرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر آرام سے سوار ہو گئے۔ اگر مرزا صاحب اپنے امن اور سامان اشاعت اور ہر طرح کے سکھوں کے باعث اس گورنمنٹ کے شکرگذار تھے اور قوم کو اطاعت کی تاکید کرتے گئے تو اسکی وفات نے اور نیز اسکی قوم کو امن پسند گورنمنٹ کا شکرگذار بنادیا۔ مَیں خوشامد سے نہیں کہتا کسی غرض سے نہیں میرا مطاع اس دنیا سے کوچ کر گیا اور مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا زمانہ بھی کچھ بہت بڑا نہیں میرے دل میں یہ سطور لکھنے کا جوش تھا جو قلم سے نکلا۔ ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ہماری قوم اس آرام کی قدردان ہو۔ آمین یارب العالمین۔

اب میں ان حملوں کا ذکر کرتا ہوں جو ہم پر ہو چکے ہیں اور تمام حملوں میں زبردست

حملہ جسکو دشمن یقین کرتا ہے کہ اُسے ہمکو پاش پاش کر دیگا۔ اور اس حملہ سے ثابت کرتا ہے کہ اس نے مرزا کو ہلاک کر دیا۔ اور اس کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ وہ یہ حملہ ہے کہ میرزا صاحب قبل از وقت انتقال کر گئے۔ اور انکے الہامات کی رو سے جو انکی عمر چاہیئے تھی اسمیں سے چار یا پانچ برس تو ضرور ہی کم ہو گئے۔ کیونکہ عمر کی نسبت اصل الہام یہ تھا کہ "تیری عمر اسّی برس کی ہو گی یا پانچ کم یا پانچ زیادہ" اس الہام میں علیم وخبیر کی طرف سے یا یا کا لفظ بعض ایسی طبایع کو جو سماوی کتب کے محاورات سے نابلد ہیں تعجب میں ڈالتا ہے مگر اسکا سر ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دینگے۔

سو یاد رہے کہ یہی اعتراض مخالفوں کے اعتراضات کا سرچشمہ ہے باقی تمام اعتراضات اس اعتراض کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس اعتراض کے لیے کوئی بر ہمو۔ اور شریف و متین مسیحی اور فلسفی تیار نہیں ہوا اور نہ ایسے گروہ سے خیال ہو سکتا ہے کہ توجہ کرے۔ اس اعتراض کے جوشیلے معترض اڈیٹر اہل حدیث اور امرتسر کے نرم دل۔ مرنج و مرنجان مرحوم و مغفور انسان عبد اللہ الغزنوی رحمۃ اللہ۔ کی طرف تلمذ کا مدعی عبد الحق ہے۔ ہاں۔ ایک امرتسری وکیل بھی ہیں جو ایک طرف تو ہمیں متانت و بردباری کی تعلیم دیتے ہیں اور دوسری طرف علمائے کرام اور اپنے خطبائے عظام کو ہماری مخالفت میں تیز قلمیں اُٹھانیکی ترغیب دیتے ہوئے ہیں اور ہمارے امام کو جتنا بُرا کہنا اسکی ابتدائی کارروائی میں جسقدر زور لگانا اسکو مناسب تھا اس سے بہت زیادہ زور لگایا۔ اللہ تعالیٰ ہی اسکو اسکا بدلہ دے۔ اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔ اللّٰھم اکفناشرھم بما شئت۔

مرزا صاحب مغفور کی کیا عمر تھی جب آپکا انتقال ہوا اسکے لیے مَیں کوشش میں ہوا کہ پتہ لگے مرزا سلطان احمد نے تولد کا سنہ ۳۶ و ۲۷ بتایا ہے پس اس شمسی حساب سے آپکی عمر قمری حساب میں ہے مگر قبل از اطلاع تام خواہ مخواہ اگر مان لیں کہ آپنے کچھ عمر کم پائی ہے

تو ایڈیٹر اہل حدیث اور عبدالحق کا علاج ایک حدیث شریف کے نسخہ سے شروع کرتا ہوں۔ والشافی ہو اللہ تعالیٰ۔ ہو الشافی۔ ترمذی شریف کی تفسیر سورۃ الاعراف اور خلاصۃ مشکوٰۃ باب القدر میں ہے حدثنا عبد بن حمید نا ابو نعیم نا هشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابی هریرۃ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما خلق الله اٰدم مسح ظهره فسقط من ظهره کل نسمة هو خالقها من ذریته الی یوم القیامه وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیصا من نور ثم عرضهم علی اٰدم فقال ای رب من هٰؤلاء قال هٰؤلاء ذریتك فرای رجلاً منهم فاعجبه وبیصًا ما بین عینیه فقال ای رب من هٰذا قال هٰذا رجل من اٰخر الامم من ذریتك یقال له داوٗد قال رب وکم جعلت عمره قال ستین سنة قال ای رب زده من عمری اربعین سنة۔

فلما انقضی عمر اٰدم جاءه ملك الموت فقال اولم یبق من عمری اربعون سنة قال اولم تعطها ابنك داوٗد قال فجحد اٰدم فجحدت ذریته ونسی اٰدم فنسیت ذریته وخطی اٰدم فخطئت ذریته۔

هٰذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجه عن ابی هریرۃ عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

تفسیر درمنثور میں ابن ابی حاتم و ابن منده و ابوالشیخ و ابن عساکر سے اس مضمون کی روایات کثیرہ اس کی تائید میں موجود ہیں اور ان میں یہ لطیفہ قابل قدر ہے کہ جملہ نسی آدم ونسیت ذریتہ وجحد آدم فجحدت ذریتہ کو ابوہریرہ کا قول بتایا ہے۔ اور و اذ اخذ ربك من بنی اٰدم کے نیچے بیان کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک عظیم الشان انسان کی عمر سے چالیس برس

کم ہوگئے۔ اور ہمارے امام مرزا جی کو میں آج نہیں کہتا۔ براہین احمدیہ کے لکھتے وقت یا ادم اسکن انت و زوجك الجنة کا الہام ہو چکا تھا۔ اور اسے آدم کہا گیا۔ پھر اگر یہاں مانا جاوے کہ چار یا پانچ برس کی کمی ہوئی اگرچہ واقع میں کمی نہیں ہوئی تو آپ لوگوں نے کیوں حُسن ظن سے کام نہ لیا۔ احادیث صحیحہ سے ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ثابت ہے۔

اس میرے بیان کی تصدیق اول ان صدہا بلکہ ہزارہا الہامات سے ہوتی ہے جنکی صداقت مرزا صاحب مغفور کی زندگی میں ہم دیکھ چکے۔ پھر آپکی کامیابیوں کو آخر آپکی بعد الوفات کامیابی اور وحدت سے ہم دیکھ چکے ہیں۔ فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء عبد الحکیم اگر اس حدیث کا انکار کرے تو تعجب نہیں کیونکہ اس کے نزدیک نجات کی بے انت راہیں اتنی وسیع ہیں کہ انبیاء پر ایمان بلکہ ایمان باللہ بھی ضروری نہیں مگر وہ ابتک قرآن کریم سے تمسک پکڑتا ہے۔ اس لیے اسکو ہم یہ آیت کریمہ سناتے ہیں ما ننسخ من ایة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ یہاں آیت کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ ایک ویران بستی پر گذرنے والے کو مخاطب کرکے فرماتا ہے و لنجعلك ایة للناس۔ یہاں اس گذرنے والے کو آیت فرمایا ہے جو لوگ دنیا میں مامور ہوکر آتے ہیں وہ بھی آیت اللہ ہوتے ہیں اور انکا اس دنیا سے کوچ کر جانا انکے عنصری وجود کی نسخ ہوتی ہے۔ بلکہ ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ بعض آیات بھول بھی جاویں۔ لاکن رحمت الٰہیہ نات بخیر منها او مثلها ہمکو عمدہ تسلی بخش ہے۔ جسپر ہم ایمان لاکر یقین کرتے ہیں کہ آپکی اولاد سے آپکے خیر کان اللہ نزل من السماء یا کم سے کم آپکی مثل آنیوالا ہے اور نسخ کے ایسے وسیع معنے لینے میں السید عبد القادر الجیلانی جیسے بزرگ ہمارے ساتھ ہیں۔

مسیح کی وفات کا مسالہ آپکی زندگی میں مہتم بالشان مسالہ تھا۔ اور یہی مسالہ ہم لوگوں کے لیے ہماری زندگی میں بھی دوفات المسیح کا مسالہ مہتم بالشان ہوگیا۔ یادرکھو۔ کبھی دعاؤں۔ صدقہ وخیرات وعلاج ومعالجہ سے قضا و قدر ٹلتی ہے۔ اور گاہے صبروشکر اور ولنبلونّ کی حکومت سے ہماری تدابیر ٹل جاتی ہیں۔ اور اس عجیب قدرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکو الایمان بین الخوف والرجاء کا مسالہ سکھایا گیا ہے اور یہ خوف ورجا ہمارے لیے دو پر عطا کیے گئے جیساکہ سید عبدالقادر الجیلی نے فتوح الغیب میں اس کا بسط فرمایا ہے۔

ایک صوفی اور اسکا معظم ومکرم قادری بھی خوشیاں کرتے ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ عمر والے الہام میں وہ جیت گئے انکو میں حضرت السید عبدالقادر الجیلی کا ایک قول سناتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہانتک وہ قادری اور صوفی مشرب ہیں اگر یہ دوائی ان کے لیے مفید نہ ہوئی تو سلاسل اربعہ کے اقوال بطور حجۃ انکے پیش کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ۔ اور اس آپکے بیان سے میری تحریر بالا کو صفائی سے تائید ملتی ہے۔ جس کا مینے نسخ کے معنے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت السید الجیلی مقالہ ۵۶ میں عبودیت کا ذکر فرماتے ہوئے اور اس کے انعامات کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

	ترجمہ
فیختار العبد ح اللہ عز وجل ویرید بارادتہ عز وجل ویدبر بتدبیرہ ویشاء بمشیتہ ویرضیٰ برضاہ ویمتثل امرہ دون غیرہ ولا یری لغیرہ عز وجل وجوداً ولا فعلاً فح	کامل عبودیت کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کو پسند کرلیتا ہے اور اللہ ہی کے ارادہ و تدبیر ومشیت ورضا کے ساتھ اپنا ارادہ و تدبیر ومشیت ورضا کو وابستہ کرلیتا ہے اور اُسی کا حکم مانتا ہے نہ غیر کا اور اللہ کے سوا کسی کا حقیقی وجود وفعل نہیں مانتا پس ایسے

يجوز ان يَعِدَہُ اللهُ الوَعدَ وَلَا يُظهِرَ لِلعَبدِ وَفَاءً بذٰلك ولا يبلغه ما قد توهم من ذٰلك لان الغيريّة قد زالت بزوال الهوىٰ والارادة وطلب الحظوظ وصار في نفسه فعل الله عز وجل وارادته ومراداً له عز وجل فلا يضاف اليه وعد ولا خلف لان هٰذه صفة من له هوى وارادة فيصير الوعد ح في حقه مع الله عز وجل عزم على فعل شئ في نفسه ونواه ثم صرفه الى غيره كالناسخ والمنسوخ فيما اوحى الله عز وجل الى نبينا محمد صلى الله عليه وسلم

ما ننسخ من اٰية او ننسها نات بخير منها او مثلها الم تعلم ان الله على كل شئ قدير۔

وقت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کوئی وعدہ کرے اور ظاہر نہ کرے بندہ کے لیے اس وعدہ کی وفا کو۔ اور پہنچاتا ہی نہیں اس بات پر جسکا اس بندہ کو خیال تھا۔ کیونکہ اس بندی اور اس کے معبود میں غیریت اسلیے دُور ہوگئی کہ بندی کی خواہش دُور ہوگئی اور اسکا ارادہ اور طلب حظوظ بھی تو اس لیے اس بندہ کے افعال افعال الٰہیہ ہوجاتے ہیں تو وہ وعدہ اور اس کے خلاف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہوگیا۔ کیونکہ وعدہ اور اسکا خلاف تو غیریت سے وابستہ تھا پس اسوقت عبودیت میں جو وعدے اس بندے سے ہوئے ایسے ہوجاتے ہیں کہ گویا کسی بندہ نے آپ ہی ارادہ کیا اور پھر اس ارادہ اور اس نیت کو کسی دوسرے کام میں لگا دیا اور یہ معاملہ ناسخ و منسوخ کی طرح ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب .... میں جو ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی فرمائی اس میں فرمایا ہے کہ

اگر ہم منسوخ کردیں کسی بات کو یا بھلا دیں تو لاتے ہیں بہتر اس سے یا اسکی مثل کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

اس تعلیم پر قادری ہونے کے مدعی۔ اور السید عبد القادر جیلانی کے معتقد توجہ فرماویں۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا کوئی ارادہ اور خواہش تمہارے لیے ٹھوکر کا باعث ہو تو اسی مقالہ میں غور کریں حضرت جیلانی فرماتے ہیں لما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزوع الھوی والارادۃ سوی المواضع التی ذکرھا اللہ عزوجل فی القرآن۔ یہاں سوے المواضع کے مقام میں مرتبہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرتبہ غلام احمدؑ کا مدنظر رکھ لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ .... اُنکا بھلا ہوگا۔

اب میں اس اپنی پہلی تحریر میں مسئلہ وفات مسیح کو ان اشعار پر جو ایک صوفی اور انکے متبعین کے لیے انشاء اللہ مفید ہونگے لکھتا ہوں۔ یہ نظم حضرت کی ہے۔ اور ایک احمدی خلیفہ رشید الدین نے ۲۵ مئی کو لکھی اور ۲۶۔ کو بمقام قادیان ۱۰ بجے خوش قلم لکھوائی۔ حالانکہ واقع وفات ۱۰½ بجے کو ہوا۔

آنانکہ گشت کوچۂ جاناں مقام شان ؞ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام شان
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ؞ میبر دکسیکہ نیست مرامش مرام شان
اے مردہ دل مکوش پئے ہجو اہل دل ؞ جہل و قصور تست نفہمی کلام شان

ایک لڑکی کے متعلق کہ اس سے آپکی شادی ہوگی۔ اور ایک عورت سے زلازل کے پہلے ایک لڑکا ہوگا۔ اور پانچویں اولاد کی بشارت پر جو اعتراض ہیں۔ انکا للہ و باللہ قرآنی جواب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا طرز ہے کہ مخاطب ہے گا ہے خود مخاطب ہی مراد ہوتا ہے اور گاہے وہ اور اسکا جانشین اور اسکی اولاد بلکہ اسکا مثیل مراد ہوتا ہے مثلاً۔ اللہ تعالیٰ زمانہ نبوی میں فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ اس حکم الٰہی میں۔ خود مخاطب اور انکے مابعد کے لوگ شامل ہیں جو ان مخاطبین کی شکل ہیں۔ اور جعلکم ملوکاً میں مخاطب تو مراد ہی نہیں مگر اور

انکے پس ماندوں میں بھی بعض ہی مراد ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اس خطاب کے وقت بادشاہ نہ تھے بلکہ اس خطاب کے بعد چالیس برس جنگل میں بھٹکتے پھرے ہلاک ہوئے اور اس نسل میں سوائے دو کے کسی کا پتہ نہیں لگتا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بنی اسرائیل کو ارشاد ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مرتکب نہیں۔

۱۔ اِذْ اَنْجَیْنَاکُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ۔	۱۔ یاد کرو جب ہم نے بچایا تمکو فرعونیوں سے تمکو برا دکھ دیتے اور تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے۔
اور فرماتا ہے۔ اِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنَاکُمْ۔	۲۔ اور جب فرق ڈالدیا ہم نے تمھارے لیے دریا میں اور پھر بچا لیا تم کو۔
پھر فرماتا ہے۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ۔	۳۔ پھر بنا لیا تمنے بچھڑے کو معبود پیچھے اس کے اور تم ظالم ہو۔
۴۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَکُلُوْا مِنْهَا۔	۴۔ اور جب کہا ہم نے داخل ہو تم ان بستی میں پس کھاؤ تم اس سے۔
۵۔ وَاِذْ قُلْتُمْ یَا مُوْسٰی لَنْ نَصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا۔	۵۔ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم صبر نہ کرینگے ایک طعام پر پس دعا مانگ ہمارے لیے۔

اور کثرت سے یہ طرز قرآن مجید میں ہے کہ مخاطب کوئی ہوتا ہے اور مراد کا ہی وہی اور گاہے اس کا مثل ہوتا ہے۔ اسی طرح ضمیر غائب میں کبھی خود مرجع مراد ہوتا ہے اور گاہے اسکا مثل۔ نحو میں اَخَذْتُ الدِّرْهَمَ وَنِصْفَهٗ کی مثل دیتے ہیں کیونکہ اس سے منشاء عرب ڈیڑھ درہم ہوتا ہے نہ ایک درہم اور قرآن کریم کی بہت جگہ میں سے ایک جگہ لکھتا ہوں وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ

معمر ولا ینقص من عمرہٖ - اور نہیں عمر دیا جاتا بڑا بوڑھا اور نہ کچھ کم کیا جاتا ہے بوڑھے کی مثل اور کم عمر کی عمر سے۔ اس آیت میں عمرہٖ کی ضمیر معمر کی طرف تو جا نہیں سکتی اس لیے معمر کی مثل اور انسان مراد ہے۔

ضمیر متکلم میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے چند مثالیں سُن لو لو کان لنا من الامر شئ ما قتلنا ھٰھُنا ترجمہ۔ اگر اس حکومت میں ہمارا تعلق و دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

اب یہاں ایک مسلمان غور کرے کہ قتلنا کہنے والے کیا مقتول اور جنگ احد کے شہید مراد ہیں یا انکے زندہ بھائی بند مراد ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو تعظیماً یا جمع ہو قرآن کریم کا منزل بیان فرماتا ہے۔ پھر اپنے خادم کو فرماتا ہے۔ نزل بہ الروح الامین۔ اس قرآن کو روح الامین نے نازل کیا ہے۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا جبرئیل کی نسبت فرماتا ہے انہ لقول رسول کریم۔ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔

اسماء ظاہر میں بھی جب وہ فاعل واقع ہوں ایسا ہی قاعدہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ ۱۔ اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا۔ اللہ تعالیٰ روح کو قبض کرتا ہے موت کے وقت۔ اور پھر فرماتا ہے ۲۔ قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ملک الموت جو تم پر وکیل ہے وہ تمہاری روح کو قبض کرتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ ۳۔ ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم۔ ان ظالموں کی روح کو ملائکہ قبض کرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ہی کو متوفی فرمایا ہے اور پھر ملک الموت کو اور پھر اور اور ملائکہ کو۔

اب تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور لاتے ہیں۔ ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ کہ جب مخاطبۃ میں مخاطب کی اولاد۔ مخاطب کے جانشین اور اسکے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی۔ کیا داخل نہیں ہو سکتی اور کیا آپکے علم فرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا؟ اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت کی وفات ہو جاوے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آوے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا پھر یہی وجہ بیان کی والحمد للہ رب العالمین۔ اسی طرح مبارک احمد کے بدلہ میں اگر اللہ تعالیٰ اسکا نعم البدل عطا کرے جس کا ہم کو یقین ہے کیونکہ اللہ ورسول کا ہم سے وعدہ ہے۔ کہ اگر ہر ایک ہم سے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منہا دل سے پڑھے تو اسے نعم البدل عطا ہوتا ہے پس ہم نے ایمان سے اسکو پڑھا۔ اور جس دن پانچواں مبارک احمد کا بدلہ دنیا میں آیا۔ اور علم فرائض کے موافق ولا ابن الابن حکم الابن موجود ہے تو آپ لوگ کیا کرینگے۔ پس یہ تمام پیشگوئیاں اگر بظاہر منسوخ ہوں تو ہمیں حرج نہیں اور اگر اپنے شرعی رنگ میں اللہ تعالیٰ سے پوری ہوئیں اور ہونگی تو تم کیسے خطرہ میں ہو اس لئے ہم بہرحال جیت اور نفع میں ہیں مرزا صاحب کی اولاد میں چھ موجود ہیں والحمد للہ رب العالمین۔ پس انہیں سے ایک بھی اولوالعزم ہوا یا انکی اولاد سے وہ عمانوئیل عظیم الشان ولد طیب پیدا ہوا تو اسوقت آپ خود اور آپکی اولاد دنیا کو کیا منہ دکھاسکے گی اگر تم مرگئے تو تمکو کیا کہینگے

مولوی ثناء اللہ نے زنگارنگ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور اخبار وکیل نے بھی

کارسپانڈنٹ میں ہماری نسبت تائیدی فقروں کے لکھنے سے دریغ نہیں کیا۔
اور گوجرانوالہ کے شریف الطبع خالصہ نے جو شرافت کا نمونہ دکھایا اور اسی طرح
ریاض لکھنؤ کے ایڈیٹر نے جو شرافت بھرے کالم سے کام لیا ہے۔ اس کے ہم
سب احمدی شکر گذار ہیں اور ایڈیٹر مسلم کرانیکل کلکتہ کی تار کا خصوصیت سے
شکریہ کرتے ہوئے جزاہ اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔

بعض جگہ دیسی عیسائیوں نے خوشیوں کے نعرے مارے اور جلسے بھی کئے ہیں کیے
مگر وہ غالباً معذور ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں تو اپنی خوش اعتقادی کا اور کیا ثبوت دیں انکی کتاب مقدس
نیو ٹسمنٹ علت ورحمت سے ساکت ہے احکام شرائع کی پابندی سے پولس نے روک دیا تو اپنی خوش اعتقادی
دینکی کا اب اور ثبوت کیا دیں وہ پہلی انجیل میں ہی دیکھ سکتے تھے۔ کہ یسوع کا مرنا ایسا ہوا بارہ داروں میں
سے ایک نے پکڑوایا اور پطرس نے اپنے مقتدا پر لعنت کا پتھر پھینکا اور تتر بتر ہو گئے۔ مگر آخر ان کے
نزدیک وہ کامیاب ہوا۔ تو یہاں جو نمونہ ان لوگوں نے دیکھا کیا اس سے ایک عاقبت اندیش عقلمند کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا
کم عمری کا اعتراض ہمارے زیر نظر ہے۔ مگر اس ملک پنجاب میں خاص گاؤں میں افراتفری سکھوں کے عہد میں
آئی ہوئی اس سے اور جو خاندانوں اور شرفا میں تکالیف پڑی اور انکا ذکر حضرت مہدیؑ نے اپنی تصانیف میں بھی
مفصل فرمایا ہے ایسے وقتوں میں گاؤں کے لوگ نہیں تاریخ تولد کا پتہ لگنا ایک مشکل کام ضرور ہے اور الٰہی مصلحت
بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسی سبب سے تا دشمن ذرہ ٹھٹھا کرے اسی لئے ہمیشہ حضرت مرزا صاحب نے تخمیناً سے اس معاملہ
میں کام لیا ہے۔ اظہار نہیں کی آخر تخمیناً ہی سے کام لینا پڑا اس لئے کسیقدر اختلاف ہوا۔ نصرۃ الحق کے صفحہ ۹
میں ارقام فرماتے ہیں (اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر
عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ ور صفحہ ۹۷ میں ارقام فرمایا ہے کہ عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے مگر جہانتک
مجھے معلوم ہے اب اسوقت تک جو سنہ ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستر کے قریب ہے واللہ اعلم اسکو ایک عقلمند غور سے دیکھے
اب میں جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ تحمل بردباری و عاقبت اندیشی اور تقویٰ طہارت سے
کام لیں اور دعاؤں میں لگے رہیں ابتداءً دشمن سے مقابلہ نہ کریں کیونکہ اسلام دفاعی مقابلہ کی اجازت دیتا ہے پس جب

دشمن مخالفانہ طرز اختیار کرے تو اسوقت جناب الٰہی میں تضرع سے دعا کرکے جواب دیں اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ [illegible] (نورالدین)

۱۴ ؍جون ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود کے وصال پر چند مختصر نوٹ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ۔ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

آہ! صحابہ رضی اللہ عنہم پر وہ کیسا غم کا دن تھا جس دن اُن کا آقا اور محبوب اُن سے جدا ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ اس کا کسی قدر اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے جو میں نے اس عنوان میں لکھا ہے آج تیرہ سو سال بعد اپنے ایک دوسرے محبوب اور آقا کی جدائی پر جو درحقیقت اُسی پہلے محبوب کا ہی بروز تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے کے بعد ہم اپنے دل کے غم کے اظہار کیلئے اسی شعر مذکورۃ الصدر کو پڑھتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اپنے پیارے امام کی ہمسے اتنی جلدی جدا ہونیکی توقع نہ رکھتے تھے وہ غلطی کرتا ہے اپنی جدائی کا پیغام تو ہمارا پیارا آقا ہمین آج سے قریب اڑھائی سال پیشتر دے چکا تھا جب دسمبر ۱۹۰۵ء کے جلسہ مین **الوصیت** کو شائع کر کے اور پھر زبانی تقریروں میں اپنے دوستون کو یہ سنایا تھا کہ اب میرا کام پورا ہو چکا ہے اور میرے خدا کی طرف سے مجھے خبر ملگئی ہے کہ مین عنقریب اُس سے جا ملنے والا ہوں۔ اور پھر اسکے بعد متواتر الہامات آپ کی وفات کے دلوں کو ہلا دیا کرتے تھے۔ مگر ہم آپ کی جدائی کے خیال کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور جبتک خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو وارد کر کے ہمیں اُسکی برداشت کیلئے خود اپنی طرف سے طاقت نہیں دیدی اُس وقت تک بیشک ہمارے دل اس خیال سے کپکپا جایا کرتے تھے۔ دُنیا میں عمومًا ایک شخص کا دوسرے سے ایک ہی قسم کا تعلق ہوتا ہے پھر کس قدر اُسکی خواہش ہوتی ہے کہ اسکی جدائی پیچھے ہی پیچھے ہٹتی جائے اور جب وہ واقع ہو جاتی ہے تو کس قدر اُس کے دل کو اس سے غم پہنچتا ہے۔ اِسی سے ہماری خواہش اور ہمارے غم کا اندازہ کر لو جن کا

وہ جدا ہونے والا محبوب بھی تھا اور محبوب بھی ایسا کہ لایؤ من احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ کا مصداق اور پھر وہ ہمارا آقا بھی تھا۔ پھر وہ ہمارا ہادی اور ہمارا رہنما بھی تھا جس نے ہمیں خدا کی راہیں دکھائیں۔ پھر وہ ہمارا دوست اور غمخوار بھی تھا ایسا غمخوار کہ دوسرا ایسا ہو نہیں سکتا۔ پھر وہ ہمارا باپ بھی تھا ایسا باپ کہ جس سے ہمیں روحانی زندگی ملی اور ہم ایک مُردگی کی حالت سے باہر نکالے گئے پھر وہ ہر مصیبت کے وقت میں ہمارا تسلی دینے والا بھی تھا۔ اور ہر غم کے وقت ہمیں خوش کرنے والا تھا۔ ہزارہا غموم اور ہموم کے وقت میں اُسکے نورانی چہرہ پر ایک نظر یا اسکی آنکھ کی ایک نظر یا اسکی مبارک زبان سے ایک لفظ غموں کی گھٹاؤں کو پاش پاش کر دیتا تھا۔ وہ ایک ایسا سورج تھا جسکی شعاعوں کے سامنے کوئی بادل آ نہ سکتا تھا۔ پس ہمارے دل اس خیال کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ وہ بھی ہمسے جدا ہونیوالا ہے حالانکہ ہم جانتے تھے کہ یہ بات ٹلنے والی بھی نہیں۔ یہ وہ دلوں کی کیفیت ہے جس کو غلطی سے ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ آپ کے مریدین کیلئے آپ کی موت غیر متوقع تھی۔

حضرت مرزا صاحب کی وفات کا نتیجہ حضرت میرزا صاحب کی وفات سے جو غم ہمیں پہنچا ہے یا جو خوشی ہمارے دشمنوں کو ہوئی ہے وہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہے جس کا ذکر خدا کی پاک کتاب میں ان الفاظ میں ہوا ہے اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" یعنی اگر تم (مومنوں کی جماعت) کو کوئی دکھ اور تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے مخالفوں کو بھی اسی قسم کے دُکھ اور تکلیفیں پہلے پہنچ چکی ہیں۔ اور ہماری سنت یہی ہے کہ ہم خوشی اور غم کے دن نوبت بنوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں اسی سنت اللہ کے مطابق ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو الہام الٰہی "دشمن کا بھی ایک وار نکلا وتلک الایام نداولہا بین الناس" کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار شائع کیا تھا۔ سو آج آپ کی وفات سے یہ الہام الٰہی پورا ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ مومنوں

اور اُن کے مخالفوں میں اِس خوشی اور غم کی پوری مساوات ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو غم پہنچاتا ہے مگر اِس غم کی تہ میں ایک خوشی ہوتی ہے اور مخالفوں کو جو خوشی پہنچاتا ہے وہ ایک جھوٹی خوشی ہوتی ہے جس کا انجام رنج اور دُکھ ہوتا ہے عاقبت صرف متقین کے لئے ہوتی ہے۔ سو اگرچہ ہمارے امام کی وفات بظاہر ہمارے مخالفون کیلئے خوشی اور ہمارے لئے غم کا موجب ہے لیکن اگر واقعات پر غور کرکے دیکھا جاوے تو اِس خوشی اور غم میں وہ باریک فرق نظر آتا ہے جو سچے مومنوں اور اُنکے مخالفون کے غم اور خوشی میں ہوا کرتا ہے۔ ہمارے مخالفوں کو ساری عمر انتظار کرتے کرتے یہ خوشی کا موقعہ ملا تھا مگر کیا حضرت مرزا صاحب کی وفات سے انکو واقعی خوشی ہوئی؟ میںنے اہل فقہ میں ایک مضمون حضرت اقدس کی وفات پر پڑھا ہے جسمیں مضمون نویس لکھتا ہے کہ ہمیں تو اُمید تھی کہ احمدی مرزا صاحب کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ جائینگے میں پوچھتا ہوں پھر تمہاری امیدوں کو خدا نے خاک میں ملایا یا نہیں؟ یتربصون بکم الدوائر علیهم دائرة السوء۔ مخالفین کو جو حضرت صاحب کی وفات کا انتظار تھا تو صرف اسلئے تھا کہ اُن کو یہ یقین تھا کہ بس مرزا صاحب کے مرنے سے یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائیگا اور ساری عمر وہ یہی انتظار کرنے تھک گئے کہ کب مرزا صاحب انتقال کریں اور کب یہ سلسلہ ٹوٹے۔ آخر جب وہ موقعہ آیا اور اونہوں نے سمجھا کہ ہماری خوشی کے دن آئے تو معاً اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کا ایک ہاتھ دکھا کر ان سب امیدوں پر پانی پھیر دیا اِس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس سلسلہ پر کوئی بڑی سی بڑی مصیبت آسکتی تھی تو وہ یہی اسکے بانی کا اس دنیا سے رخصت ہونا تھا اور اگر کبھی اسکو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوسکتا تھا تو اسی موقعہ پر ہوسکتا تھا مگر قربان جائیں اس خدا کے جس نے اسے قایم کیا کہ اُس نے اس نازک موقعہ پر کیسا دست قدرت دکھایا اور کیسا عجیب تصرف دلوں پر کیا۔ میں اپنے دوستوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کی کمریں توڑ دی ہیں اور اُنکی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا ہے جس واقعہ کو وہ مدت سے اِس سلسلہ کی تباہی کا موجب سمجھ رہے تھے وہی آج اُسکی تقویت کا باعث ہو گیا۔ یہ ہے

خدا کی نصرت - مصائب کا آنا تو ضروری ہے اور جس طرح وہ خدا تعالیٰ کے قایم کردہ سلسلہ میں شامل ہونیوالوں پر آتے ہیں اسی طرح اُن کے معاندین پر بھی آتے ہیں مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ مساوات نہیں رہنے دیتا بلکہ اپنے تصرف کا ہاتھ کھلا کھلا کام کرتا ہوا دکھا دیتا ہے پس حضرت مرزا صاحب کی وفات کا سب سے بڑا اور کھلا کھلا نتیجہ تو یہی ہے کہ اس سلسلہ کے دشمن سمجھ گئے ہیں کہ اب اس سلسلہ کے پانوں مضبوط ہوگئے اور یہ کیسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ تو ہماری باری تھی کہ ہمپر ایک مصیبت آئی اور اللہ تعالیٰ نے اِس مصیبت میں اِس سلسلہ کو اور مستحکم فرمایا اور اِسکے پانوں کو اور بھی مضبوط کردیا اور جو لوگ اسمیں داخل ہیں اُنکی ہمتوں کو اور بھی بڑھا دیا۔ اور دوسری طرف ہماری مخالفین کی کمروں کو توڑ دیا اور اُن کی برسوں کی آرزوؤں اور امیدوں کو ایک مرتبہ خاک میں ملادیا۔ غرض جب یہ خدا کا فضل ہمپر اس وقت ہوا جب اس نے اپنے قانون کے مطابق ہمپر ایک مصیبت بھیجی تھی۔ پھر جب ہماری مخالفوں کی باری آئیگی اور تلك الایام نداولہا بین الناس کے مطابق وہ ضرور آنی چاہیئے تو اُس وقت ہمیں اپنے مولا سے کیا کیا امیدیں نہ رکھنی چاہئیں۔ ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے یہ ایک خدا کے صادق نبی کا قول ہے اور درحقیقت ایک بہت سچی بات ہے اگر ایک شخص میں خود راستی نہیں بلکہ وہ کذاب اور مفتری ہے اور اسمیں خود قوت قدسی نہیں بلکہ وہ ایک گندہ آدمی ہے جو مکر و فریب سے لوگوں کے مال کھاتا ہے اور خدا پر افترا کے گند پر منہ مارتا ہے تو وہ دوسروں میں راستی کی روح کیونکر پھونک سکتا ہے اور اُن کو گندوں سے کیوں کر پاک کر سکتا ہے - مرزا صاحب کی صداقت یا غیر صداقت کے پرکھنے کے لئے آسان سے آسان یہی راہ ہے کہ جس جماعت کو وہ تیار کر کے چھوڑ گئے ہیں اِس جماعت کو دیکھ لو کہ اُسکی کیا حالت ہے - سیکڑوں نہیں ہزاروں آدمی قسم کھاکر شہادت دے سکتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے پاک انفاس کی وجہ سے

ایک گندی زندگی سے نکل کر ایک پاکیزہ زندگی حاصل کی ہے مگر میں اس وقت اس بات کو پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ لوگ جن کو اس سلسلہ سے تعلق نہیں مگر اس سلسلہ کے وابستگان سے انہیں اکثر تعلق پڑا ہے وہ بھی ایمانی شہادت دے سکتے ہیں کہ جو خضوع خشوع انکی نمازوں میں دیکھا گیا ہے جس طرح کی عملی حالتیں انکی دیکھی گئی ہیں جو محبت قرآن کریم سے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو سچی عظمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکے دلوں میں پائی جاتی ہے وہ عام طور پر دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی مگر میں اس بات پر بھی اس وقت بحث نہیں کرونگا۔ میں احمدی جماعت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت کو اس وقت پیش کرتا ہوں اور خدا ترس دلوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے اسکا سچا جواب دیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ بحیثیت ایک جماعت کے جو جوش دین کی تبلیغ اور خدمت کا اور اسلام کی اشاعت کا احمدیوں کے دلوں میں ہے کیا وہ اس وقت کسی اور جماعت میں بھی ہے ؟ جس طرح بحیثیت ایک جماعت کے (میں افراد کا ذکر نہیں کرتا) احمدیوں نے اپنے مال نہیں بلکہ اپنی جانیں اسلام کی اشاعت اور خدمت کیلئے قربان کی ہیں اور اپنے آپ کو گویا اس راہ میں وقف کر دیا ہے کیا اسکی دوسرے مسلمانوں میں کوئی نظیر بھی ہے ؟ پھر میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ جوش اسلام کے لئے اور خدا اور اسکے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے کس نے اس جماعت کے دل میں ڈالا ؟ اگر خود اسکے امام اور ہادی کے دل کے اندر یہ جوش دوسرے تمام جوشوں پر غالب نہ تھا تو اس کے پیرووں کے دل میں کہاں سے آگیا ؟ وہ نام جو آپ لوگوں نے مرزا صاحب کے لئے تجویز کئے مکار اور فریبی اور مال مردم خور اور نفس پرست اور کذاب اور مفتری اور دجال۔ خدا کے لئے ایک لمحہ کے واسطے ان کے مفہوم پر بھی غور کرو۔ اور دوسری طرف احمدیوں کے دلوں میں جو جوش اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت اسلام کا تم دیکھتے ہو جس کا ثبوت انہوں نے

اپنے مال اور اپنی جانین اس راہ کیلئے قربان کرکے دیدیا ہے۔ اِس پر بھی غور کرو اور پھر خود ہی بتاؤ کہ کیا تمہارے نزدیک ایک مفتری کذاب۔ دجال۔ مکار۔ فریبی نفس پرست کی تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیئے؟ اور کیا تمہارے پاس اس قسم کی کوئی اور مثال بھی ہے؟ جس بات کیلئے تم خود عیسائیون کو ملزم قرار دیتے ہو کہ اگر ایک صادق اور راستباز صحابہ کا علم نہ ہوتا تو ان میں صداقت اور راستبازی کی روح کہاں سے آجاتی۔ آج اسی بات کے لئے حضرت مرزا صاحب کے معاملہ میں تم خود ملزم ٹھیرتے ہو۔ ہاں اِن باتوں پر اچھی طرح غور کر لو اور سوچ لو کہ کہیں تمہارے اعتراضوں کا نشانہ خود اسلام ہی تو نہیں بنتا؟ وہ بیج تو تم نہیں دیکھ سکتے جس سے یہ درخت اُگا تھا مگر اسکے پھل کو دیکھ کر تم اُسکے بیج کو بھی پہچان سکتے ہو۔

اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے ہیں اور اُسکو موصوف بجمیع صفات کاملہ مانتے ہین۔ ہم اسکی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور اُسکے تمام رسولوں کو منجانب اللہ مانتے ہین۔ ہم قرآن کو خدا کا کلام یقین کرتے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول اور خاتم النبیین مانتے ہیں۔ ہم اسلامی شریعت کو تا ابد زندہ مانتے ہیں اور اُسکے کسی حصّہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان راہوں پر چلین جو خدا کے پیارے رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائیں۔ ہم اسلام کے فرائض کو فرائض جانتے ہیں اور حتی الوسع اُن پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے جو اوامر اور نواہی بیان کئے ہین ہم اُن سے سر مو نہین پھرتے ایک ہمارا مخالف بھی زیادہ سے زیادہ یہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ ہاں ہم میں ایک اور بات ہے کہ ایک شخص نے عین اسوقت میں جب خدا کی طرف سے کسی کے آنے کا انتظار تمام روحوں کو تھا یہ دعوے کیا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور تمہاری اصلاح کے لئے آیا ہوں چنانچہ ہمنے اُسے جہاں تک ہمارے قُوٰے اور فہم اور عقل کام دیتے تھے ایسا ہی پایا اور اُس پر ایمان

لائے مگر دوسرے فریق نے تم اسکا انکار کیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اُسے کذاب اور مفتری اور دجال کہا اور گندی گالیاں نکالیں یا گالیاں نکالنے والوں کو اچھا سمجھا اور استہزا کیا اب ہر ایک مسلمان خود غور کرے کہ ان دونوں فریقوں میں سے احقّ بالامن کون سا فریق ہے۔ ہمنے مرزا صاحب کو مسیح موعود مان کر اسلام کا کچھ حصہ چھوڑا نہیں اس پاک شریعت میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہیں بلکہ اسلام کی صداقت ہمارے دلوں کے اندر اور بھی مضبوط ہوگئی اور اُسکی خدمت کیلئے ایک جوش ہمارے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ پس ہمنے کچھ گنوایا نہیں بلکہ حاصل ہی کیا ہے۔ کاش ہمارے مخالف کبھی اتنا ہی غور کریں کہ جسکی مخالفت پر وہ اڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ سچا ہو تو پھر وہ کن لوگوں میں داخل ہونگے۔ ہم بالفعل کچھ نہیں کہتے صرف یہ کہتے ہیں کہ امن کا طریق اختیار کرو۔ مان لینے میں بہر حال تمہارا کوئی نقصان نہیں مگر رد کرنے میں ایک صورت یقینی نقصان کی ہے۔

پیشگوئیوں کی حقیقت

حضرت مسیح موعود پر سب سے بڑا یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپکی بعض پیشگوئیاں اس طرح واقع نہیں ہوئیں جس طرح آپ نے خود اُن کے معنے کئے تھے۔ ابتدا سے لیکر آج تک جس قدر اعتراض آپ کی پیشگوئیوں پر ہوئے ہیں میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں وحی یا الہام کے الفاظ پر اعتراض وارد ہوتا ہو بلکہ جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ پر ہے کہ فلان الہام یا وحی کے جو یہ معنے اجتہاداً مورد وحی نے کئے تھے اُن کے مطابق پیشگوئی کا وقوع نہیں ہوا۔ اب جو لوگ انبیا علیہم السلام کی پیشگوئیوں کو ماننے والے ہیں وہ اِس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نبی کے اجتہاد میں غلطی واقع ہونا دوسری بات ہے اور وحی یا الہام کا پورا نہ ہونا اور بات ہے۔ ہاں خود بعض قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے میں ایک اور امر ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جسکا میں ابھی ذکر کرونگا۔ پیشگوئی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالی کی طرف

سے بعض الفاظ ملہم کو بتائے جاتے ہیں جو کسی امر غیبی پر مشتمل ہوتے ہیں مگر ان الفاظ کے معنے کی پوری حقیقت خود ملہم اور مورد وحی پر بھی کھولی نہیں جاتی۔ سو سوائے اسکے کہ کبھی وحی خفی سے اُس پر الفاظ وحی کے معنے کھولے جائیں وہ اپنے خیال کے مطابق ان الفاظ کے معنے کرتا ہے اور ضروری نہیں ہوتا کہ پیشگوئی انہی معنوں کے رو سے پوری ہو۔ کیونکہ پورا ہونا ان الفاظ کا ضروری ہوتا ہے جو منجانب اللہ ہوں ورنہ ملہم کسی دوسرے انسان کی طرح معنے کرنے میں غلطی بھی کھا سکتا ہے۔ کسی نبی کی زندگی ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ بائیبل کو پڑھ لو۔ حضرت عیسٰی کی زندگی کے حالات کو دیکھ لو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو مطالعہ کرو۔ تمام نبیوں کی پیشگوئیوں میں یہی بات پائی جائیگی۔ چونکہ میرے مخاطب اس مضمون میں بالخصوص اہل اسلام ہیں اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک دو مثالیں کافی ہونگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی وفات کے متعلق یہ پیشگوئی کی اسرعکن لحوقًا بی اطولکن یدًا اسکے معنے یہ سمجھے گئے کہ لمبے ہاتھوں والی بیوی سب سے پہلے فوت ہوگی چنانچہ آنحضرت کی موجودگی میں ہاتھ ماپے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس وقت یہی خیال تھا کہ یہ پیشگوئی انہی معنوں کی رو سے پوری ہوگی۔ کیونکہ آپ اس وقت خاموش رہے۔ پھر جب پیشگوئی پوری ہوئی تو اُس وقت معلوم ہوا کہ اطولکن یدًا کے لفظی معنے درست نہ تھے بلکہ اس جگہ مراد زیادہ سخاوت سے تھی۔ جیسا کہ عرب میں یہ محاورہ آتا ہے۔ ایسا ہی حدیبیہ کا واقعہ ہے جو اسی رسالہ میں دوسری جگہ بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ اور اسی کی ایک مثال آنحضرت کا وہ رؤیا ہے کہ آپ کو ہجرت کی زمین دکھائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا میرا خیال اس طرف گیا کہ اس سے مراد یمامہ ہے۔ اور پھر پیشگوئی کے پورا ہونے پر معلوم ہوا کہ آپ کا یہ خیال غلط تھا۔ در اصل اس میں نبی کی کسرِ شان نہیں۔ کہ اُس کا خیال کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کلام کے جو وہ پیش کرتا ہے

منجانب اللہ ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی یہ الفاظ خود نہیں بناتا۔ ورنہ اُن کے معنی کرنے میں وہ غلطی نہ کھائے۔ غرض اگر حضرت مسیح موعود کی کوئی پیشگوئی ایسی ہو جو اجتہادی معنوں کی رو سے پوری نہ ہوئی ہو خواہ ان معنوں پر کتنا زور آپ نے دیا ہو تو اس پیشگوئی کو غلط نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ یہ نہ دکھایا جاوے کہ الہام کے الفاظ کے رو سے بھی وہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

ایک دوسرا اصل پیشگوئیوں کے متعلق یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ انذاری پیشگوئیاں بعض وقت ٹل بھی جاتی ہیں ایک نہائت کھلی کھلی مثال یونس نبی کی پیشگوئی ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بھی فرماتا ہے کہ ان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں بظاہر پوری نہیں بھی ہوتیں اس لئے قرآن شریف یہ اصول قائم کرتا ہے کہ مدعی نبوت کے متعلق دیکھنا یہ چاہیئے کہ اسکی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں یا نہیں ؛

ایک تیسرا اصل یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ پیشگوئی میں بعض وقت ایک شخص کا ذکر ہوتا ہے اور مراد اس سے دوسرا ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے متعلق دیکھا اور مراد اس سے عکرمہ کا اسلام لانا تھا۔ پھر آپ نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھوں میں دو کنگن ہیں جنکو آپ نے پھونک مار کر اڑا دیا جسکی تاویل آپ نے یہ کی کہ دو جھوٹے پیغمبر اٹھیں گے جو ہلاک ہو جائینگے مگر آپ فوت ہو گئے۔ حالانکہ مسیلمہ ابھی زور پر تھا پھر حضرت ابوبکرؓ نے اسکو ہلاک کیا۔ حالانکہ رویا میں پھونک آپ نے ماری تھی۔ ایسا ہی آپ نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں دی گئی ہیں مگر وہ خزانے نہ آپ کے ہاتھ سے فتح ہوئے نہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ سے بلکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں وہ کنجیاں آئیں۔

میں پیشگوئیوں کی تفصیل میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ اسی مضمون پر اس رسالہ میں دوسری جگہ ایک مبسوط مضمون درج ہے اور عنقریب تشحیذ الاذہان میں صاحبزادہ

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی قلم سے ایک اور مفصل مضمون شایع ہوگا میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ایک کثیر حصہ پیشگوئیوں کا ابھی ایسا ہے جن کے پورا ہونے کا انتظار باقی ہے کیونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ ایک نبی کی پیشگوئیاں اسکی موت تک ہی ختم نہیں ہوجاتی ہیں بلکہ جیسا عظیم الشان نبی ہو اسی طرح اسکی پیشگوئیوں کا زمانہ بھی لمبا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں قیامت تک پوری ہوتی رہینگی۔ اس لئے ہمیں بہت تاویلیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ یہ الہام اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک بہت دفعہ حضرت صاحب کو ہوا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہی وحی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں جنکے دکھانے کا وعدہ کیا گیا تھا اب آپ کی وفات کے بعد دکھائی جائینگی۔ مگر خدا کے فضل کو جلد باز نہیں پاتے بلکہ یہ صبر سے انتظار کرنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ الہام الٰہی میں اللہ تعالےٰ نے یوں فرماتا ہے کہ بہت سی پیشگوئیاں جو مخالفوں پر واقع ہونے والی ہیں۔ ہم یا تو ان میں سے بعض تیری زندگی میں ہی پورا کردینگے اور یا تجھے وفات دیکر ان کو پیچھے پورا کرینگے۔ پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یوں فرماتا ہے۔ قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم یعنی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالےٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو موت بھی دیدے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا یعنی منکروں پر جو عذاب آنے والا ہے وہ تو بہرحال آہی رہیگا۔ خواہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور اونکے ساتھی نہ بھی رہیں۔ اب دیکھو کہ یہہ سورت مکی ہے اور مکہ میں کافروں کی ہلاکت کے بڑے بڑے وعدے دیئے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں غنا بھی ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ چاہے تو یوں بھی کرسکتا ہے کہ وہ وعدے جن کا نبی کریم کی زندگی میں پورا ہونیکا وعدہ دیا گیا ہے الخ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے بعد پورا کرے۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کے اس غنائے ذاتی پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اسکے دوسرے صفات پر۔ چنانچہ مذکور ہے کہ بدر کے

دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا تو آپ سے وعدہ ہے کہ وہ کفار کو ہلاک کریگا اور مومنوں کو فتح دیگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وعدہ تو ہے مگر وہ غنی بھی ہے۔ پس اس آیت قرآنی اور ان واقعات کو جاننے کے بعد یہ کوئی مستبعد امر نہیں اگر ایک نبی کو خدا کی طرف سے یہ وعدہ دیا جائے کہ فلاں شخص تیری زندگی میں ہلاک ہوگا اور پھر خدا اس وعدہ کو اسکی زندگی کے بعد پورا کرے یا ایک نبی ایک شخص کیلئے بددعا کرے کہ وہ اسکی زندگی میں ہلاک کیا جائے اور پھر خدا تعالےٰ کسی مصلحت سے اسکو نبی کے بعد تک مہلت دیدے۔ مگر ہمارے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں الہامی عبارت میں یہ لفظ ہرگز موجود نہیں کہ فلاں شخص تیرے سامنے ہلاک ہوگا۔ ہاں یہہ الگ بات ہے کہ حضرت صاحب کو یہ خیال تھا کہ فلاں آدمی میری زندگی میں ہی ہلاک ہونگے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صاف رؤیا تھی کہ آپ نے پھونک مار کر دو کنگن اڑا دیئے یعنی دو جھوٹے نبیوں کو ہلاک کر دیا۔ پس ہمارے معترض اگر منہاج نبوت کو چھوڑ نہیں چکے تو ذرا خیال کریں کہ کیا مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آج کل کے اُسکے مثیلوں کی طرح جو اشتہار بازی کر رہے ہیں اور ڈینگیں مار رہے ہیں یہ نہ کہتا ہوگا کہ جو پھونک مار کر ہمیں اُڑانا تھا وہ چلدیا اور میں ابھی زندہ ہوں۔ پھر مگا اسکی طاقت کا بڑھ جانا بتا رہا ہے کہ اسکو ایک اور ایسے فخر کا موقعہ بھی تھا جو اُسکے مثیلوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ اُسکے ساتھ تو بہت لوگ ہو گئے تھے مگر اُسکے مثیل باوجود اپنی اشتہار بازی کے اُسی طرح مخذول اور مردود ہیں۔ اور کوئی گروہ ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جس نے انہیں پیشوا بنا لیا ہو *

پھر ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ پیشگوئی بعض وقت منجم اور رمّال بھی کر دیتے ہیں۔ اور عام لوگوں کو بھی بعض وقت آئندہ کے متعلق کوئی سچی خواب آجاتی ہے بلکہ فاسقوں اور فاجروں کو بھی آجاتی ہے کیونکہ وہ مادہ تو

فطرت انسانی میں موجود ہے پس کسی کی ایک آدھ بات پوری ہو جانے سے جو اُس نے پیش از وقت بتائی ہو۔ وہ مامور من اللہ یا نبی نہیں کہلا سکتا جیسا کہ کوئی شخص ایک پیسہ یا دو پیسے رکھنے کی وجہ سے بادشاہ یا دولتمند نہیں کہلا سکتا ۔

مابہ الامتیاز کیا ہے۔ اب جب یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا منہاج نبوت کی رو سے انکار نہیں ہو سکتا اور حضرت مسیح موعود پر اگر کوئی مطالبہ ہو سکتا ہے تو منہاج نبوت کے رو سے ہی ہو سکتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ پھر مابہ الامتیاز کیا ہے جس سے جھوٹے اور سچے میں شناخت ہو کیونکہ ایک طرف تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ سچے نبی کے اجتہاد میں بھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے اور کہ سچی پیشگوئی میں بعض وقت ایک کے ذکر سے کوئی دوسرا مراد ہوتا ہے اور علاوہ بریں وعید کی پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک فاسق فاجر کو بھی سچی خواب آسکتی ہے بلکہ شیاطین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الامن استرق السمع یعنی ایک بات جو ملاء اعلیٰ میں قرار پاتی ہے بعض وقت شیاطین بھی اسکو سُن پاتے ہیں اور پھر وہ اپنے مظاہر کو اسکی اطلاع دیدیتے ہیں۔ اور حدیث میں بھی ابن صیاد کے متعلق ہے کہ یاتینی صادق وکاذب۔ سو جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو خود پیشگوئیوں میں کثرت اور کیفیت کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ قرآن شریف سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اظہار علی الغیب کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کیلئے مخصوص کرتا ہے یعنی کثرت سے غیب کی اطلاع دینا۔ پس پہلی بات دیکھنے والی یہ ہوتی ہے کہ ایک مدعی کی پیشگوئیوں میں سچی پیشگوئیوں کی کثرت پائی جاتی ہے کہ نہیں۔ سو اس معیار کی رو سے پرکھ کر دیکھ لو تو حضرت مسیح موعود کو اپنے دعویٰ میں سچا پاؤ گے اور باقی جس قدر لوگ اُٹھے ہیں وہ اس معیار کی رو سے جھوٹے ثابت ہوں گے۔ پھر پیشگوئی کی کیفیت کو بھی دیکھنا چاہیئے کیونکہ جو پیشگوئی اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہو اسمیں ایک قدرت اور شوکت پائی جاتی ہے اور اسمیں ایک اقتدار کا رنگ ہوتا ہے جو اوسے منجموں کی پیشگوئیوں سے یا

استغراق شیاطین سے یا عامیانہ خوابوں سے بالکل ممیز کردیتا ہے۔

علاوہ ازیں خالی پیشگوئی کوئی چیز نہیں جبتک کہ اسکے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہ ہو جو اس پر چلنے والوں کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور ایسی قوت قدسی نہ ہو جو دوسروں کے اندر ایک پاکیزگی کی روح پھونک دے اور ایسی کشش نہ ہو جو ایک عالم کو ان کیطرف کھینچ لاوے اور ایسا جذب نہ ہو جو دلوں کو اخلاص اور محبت کے ساتھ انکا مطیع کر دیوے اور ایسے اخلاق فاضلہ نہ ہوں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ رکھتے ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسی نصرت اور تائید منجانب اللہ نہ ہو جس سے باوجود تمام مخالفتوں کے اور ہر قسم کی روکیں اُنکی راہ میں ڈالے جانیکے اُن کے سلسلہ کی ترقی روز افزوں ہوتی چلی جائے اور تُند سے تُند بادِ مخالفت کا جھونکا اُن کے پودے کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ تمام باتیں ہرگز ہرگز کسی کاذب میں جمع نہیں ہوسکتیں تمام دُنیا کو تلاش کرلو۔ تاریخ کے ورقوں کو ایک ایک کرکے اُلٹ ڈالو مگر ان سب باتوں کا مجموعہ سوائے خدا کے برگزیدہ نبیوں کے ہرگز کہیں نہ پاؤ گے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی امر کیلئے جو شہادت ہو اسپر بحیثیت مجموعی غور کرنا چاہیئے۔ دانا آدمی کا یہ کام نہیں کہ ایک ادنےٰ سی مشابہت دیکھ کر گھبرا جائے بلکہ اسے ایک امر کے تمام پہلوؤں پر نگاہ کرنی چاہیئے۔ نبوت کے امر کو خدا تعالیٰ کبھی مشتبہ نہیں چھوڑتا مگر غور اور تدبّر ضروری ہے جسکو خدا تعالیٰ دُنیا میں کسی کام کیلئے بھیجتا ہے اس سے وہ کام کروا کر ہی ثابت کر دیتا ہے کہ یہ میرا بھیجا ہوا تھا۔ ہزار روکیں اسکی راہ میں ڈالو لاکھ مخالفت کرو مگر وہ کام رکتا نہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ اُس کامیابی کی خبر ایسے وقت میں اسکو دیتا ہے جب کوئی شخص انکی حالت کو دیکھ کر ایک لمحہ کیلئے بھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا کہ یہ بھی کبھی کامیاب ہوسکتا اور مخالفتوں اور مشکلات کے پہاڑوں کو پاش پاش کر سکتا ہے مگر چونکہ خدا کا چھپا ہوا ہاتھ اسکے ساتھ ساتھ کام کرتا ہوتا ہے اس لئے ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ٹل جائیں مگر وہ خدا کی باتیں ہرگز نہیں ٹلتیں۔ یوں تو دنیا میں سب لوگ

کچھ نہ کچھ کام کرتے ہیں تو بعض ان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعض کامیابی کے سچے اصول پر نہ چلنے کی وجہ سے ناکام رہ جاتے ہیں اور اسی طرح بعض شخص جو مذہب کے رنگ میں سوسائٹیاں قایم کرتے ہیں وہ بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن لوگوں کے متعلق جو خدا تعالیٰ سے الہام اور وحی پانیکے مدعی ہو کر ایک مذہب یا ایک سلسلہ کی بنیاد رکھتے ہیں اُن کے متعلق خدا نے واضح الفاظ میں دو قانون اپنی پاک کتاب میں بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ انھم لھم المنصورون۔ وان جندنا لھم الغالبون اور ہمارے بندوں کے حق میں جو ہمارے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں ہماری طرف سے یہ بات پہلے سے قرار پا چکی ہے کہ اُن ہی کی مدد کی جاتی ہے اور خدائی گروہ آخر کار ضرور غالب آکر رہتا ہے۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا۔ یعنی اس دُنیا کی زندگی میں ہی ہم ضرور اپنے بھیجے ہوؤں کی اور اُن لوگوں کی جو ان پر ایمان لاتے ہیں مدد کرتے ہیں۔ اور دوسرا قانون یہ ہے لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ فما منکم من احد عنہ حاجزین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کو نصرت نہیں دی جاتی بلکہ اسے ہلاک کرکے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ اب مجھے زیادہ اس مضمون کو طول دینے کی ضرورت نہیں پڑھنے والے خود غور کرلیں کہ آیا خدا نے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے ساتھ کامیابیوں اور نصرتوں کے وعدے قبل از وقت نہیں کئے اور پھر اسی طرح انکو آپ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی پورا کرکے نہیں دکھایا جس طرح وہ اپنے صادق بندوں کے ساتھ وعدے کیا کرتا اور پھر انکو پورا کرکے دکھایا کرتا ہے؟ اور جس طرح وہ جھوٹے کو جلدی ہی ہلاک کرکے نیست و نابود کر دیا کرتا ہے اس طرح مرزا صاحب کے ساتھ نہیں کیا۔ پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا بلکہ صادقوں اور اپنے سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے اسکی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اسکی کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے

اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہو سکیگی ۔

زمانہ نزول وحی - آپ کی عمر کے متعلق اسی میگزین میں دوسری جگہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ۷۴ یا ۷۵ سال قمری تھی۔ اور یہی آپ کی پیشگوئی ثمانین حولاً او قریباً من ذٰلک کا منشا تھا۔ آپ کا زمانہ نزول وحی چالیس سال ثابت ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء تک آپ کے ان عظیم الشان الہامات کا پتہ چلتا ہے جن میں آپ کو آئندہ کی کامیابیوں اور برکتوں اور نصرتوں کے وعدے دئیے گئے تھے چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ "اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا ..... فرمایا۔ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈ ینگے" اس طرح پر ۱۹۰۸ء تک پورے چالیس سال کے عرصہ تک آپ پر وحی الٰہی نازل ہوتی رہی۔

ثناء اللہ اور عبد الحکیم - ان دونوں کا کچھ الگ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ان دونوں کا ہلاک ہونا ضروری تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مثال سے صدق اور کذب نہیں پرکھا جاتا بلکہ ہمیشہ کثرت کو دیکھنا چاہیئے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف مباہلے کئے یا بد دعائیں کیں یا جن کے خلاف حضرت مسیح موعود نے بد دعا کی اُنمیں سے کتنے اب نظر آتے ہیں۔ جہاں بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ معاندین خدا کے برگزیدہ کا مقابلہ کرکے ہلاک ہوئے وہاں ایک یا دو مثالیں بچ رہنے والوں کی النادر کالمعدوم کے حکم میں سمجھنی چاہئیں۔ کیونکہ اعتبار ہمیشہ کثرت کا ہوتا ہے تعجب ہے کہ ایک ثناء اللہ اور عبد الحکیم کو تھوڑی سی مہلت ملجانے سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر آپ کے بالمقابل ہلاک شدگان کی کثیر تعداد سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاتا۔ جہاں اللہ تعالیٰ مقابل پر

آنیوالوں کو بار بار حضرت موعود کے سامنے ہلاک کر کے آپ کی صداقت کو آفتاب کیطرح روشن کر چکا ہے وہاں ایک دو شخصوں کو مہلت ملجانے سے پہلے سارے ثابت شدہ نتیجوں کو کالعدم سمجھ لینا پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔ ہاں یہ بیشک دیکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو سنت اپنے انبیاء کے ساتھ ہے اسمیں اسکی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اب دیکھو حضرت عیسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لُعِنَ الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم یعنی عیسی بن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جنہوں نے حضرت عیسیٰ کا انکار کیا لعنت کی گئی مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ لعنت حضرت عیسیٰ کے واقعہ صلیب کے بہت مدت بعد پڑی جب یروشلم تباہ ہوا۔ بہرحال لعنت کرنیوالے تو تھے حضرت عیسیٰ اور انہی کو بزعم خود یہودیوں نے صلیب سے مار ڈالا۔ حالانکہ لعنت کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ یہود پر عذاب حضرت عیسیٰ کے سامنے آتا مگر ایسا نہ ہوا۔ پھر دیکھو حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم فاتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الی ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین اللذین انا بینھما صاحب صنعاء و صاحب الیمامہ صحیح البخاری یعنی رویا میں دو سونے کے کنگن آپ کے ہاتھوں میں ڈالے گئے جو آپ کو بہت برے معلوم ہوئے پھر آپ کی طرف وحی کی گئی کہ آپ دونوں کو پھونک ماریں چنانچہ آپ نے دونوں کو پھونک ماری تو وہ دونوں گم ہو گئے اسکی تاویل آپ نے دو کذابوں سے کی یعنی اسود عنسی اور مسلیمہ۔ اب دیکھو یہاں آنحضرت کیطرف وحی کی گئی اور اس وحی کے مطابق آپکی پھونک سے دونوں گم بھی ہو گئے جسکا مطلب یہ تھا کہ دونوں آپ کے ہاتھ سے ہلاک ہونگے۔ مگر اسود عنسی تو عین آپ کی وفات کیوقت ہلاک ہوا اور مسلیمہ پیچھے تک زندہ رہا اور ضرور ثناء اللہ اور عبد الحکیم کی طرح ڈینگیں مارتا رہا ہوگا کہ دیکھو آنحضرت میرے سامنے فوت ہو گئے۔ پھر وہ صدیق کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اسی دقت کو محسوس کر کے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں واما مسیلمۃ فکان القائم علیہ حتی قتلہ ابوبکر الصدیق فقام مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک یعنی اس پیشگوئی میں صدیق آنحضرت صلعم کے قائم مقام ہو گئے۔

پس منہاج نبوت کے رو سے کوئی امر مشتبہ باقی نہیں رہتا۔ ہمارے مخالف ایک لمحہ کے لیے غور کریں کہ جس استدلال سے وہ حضرت مسیح موعود کے ثناء اللہ اور عبد الحکیم کی زندگی میں فوت ہو جانے سے جھوٹا ہونے کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں اسی استدلال سے اس کثیر تعداد کی ہلاکت سے جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہلاک ہوئے آپ کی صداقت کا کھلا کھلا نتیجہ نکلنا چاہیے یا نہیں؟ پھر کیا انکا فرض نہیں کہ ایسی صورت میں سنت اللہ کو دیکھیں اور منہاج نبوت پر غور کریں۔ اگر اسی بات کو اُلٹا کر وہ ہمارے سامنے پیش کریں یعنی یہ کہیں کہ جس طرح ہم اُن مخالفین کی ہلاکت سے جو حضرت مسیح موعود کے مقابل پر آئے تھے آپ کی صداقت کا نتیجہ نکالتے تھے اب آپ کے ثناء اللہ اور عبد الحکیم کے سامنے فوت ہو جانے سے انکے جھوٹے ہونے کا نتیجہ نکالیں تو ہمارا جواب یہی ہے کہ ہم منہاج نبوت سے باہر نہیں جاتے۔ بلکہ ہم کثرت کو دیکھیں گے کہ کس طرف ہے اور جب کثرتِ شہادت سے ایک نتیجہ پر پہنچ جاویں تو جو مثال اس کثرت کے خلاف پیش کیجاویگی اس کے لیے منہاج نبوت اور سنت اللہ پر غور کریں گے اگر اسکی نظیر وہاں ملے جیسا کہ معاملہ زیر بحث میں ہم نظیریں دکھا چکے ہیں تو پھر شبہ اور اعتراض کوئی باقی نہیں رہتا۔ اور اگر نظیر نہ بھی ملے تو بھی پیشگوئیوں اور دعاؤں کے متعلق خدا کی پاک کتاب سے ہمیں یہ قانون معلوم ہوتا ہے کہ کثرت کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ ایک طرف پیشگوئی کے متعلق یہ قانون بیان فرمایا کہ ان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم اور دوسری طرف ادعونی استجب لکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف الی آخرہ اور تمام دنیا بھی اسی اصول کو مانتی ہے کہ استثناء سے قاعدہ نہیں ٹوٹتا۔ اب ہمارے مخالف بتائیں کہ وہ کیا جواب اسکا دیتے ہیں کہ جس صورت میں وہ ایک مثال کو لیکر کہ حضرت مرزا صاحب ایک فلاں مخالف کی زندگی میں فوت ہو گئے جسکے لیے انہوں نے بددعا کی تھی اتنا شور دنیا میں ڈال رہے ہیں۔ اور پھولے نہیں سماتے تو اسی قسم کی ان بہت سی مثالوں سے جن میں حضرت کے مخالف آپکے مقابلہ میں آکر آپ کی زندگی میں ہلاک ہو گئے وہ کیوں آنجناب کی صداقت کا نتیجہ نکالنے میں متامل ہوتے ہیں؟ اب تک تو وہ اس اصل کو ہی تسلیم

نہ کرتے تھے اور اسطرح سے گریز اختیار کر لیا کرتے تھے مگر اب جبکہ وہ خود اپنی اشتہار بازی میں
اس اصل کو تسلیم کر چکے ہیں تو اب ہمارے اس مطالبہ کا جواب دیں کہ کثیر تعداد مخالفین کی ہلاکت
سے اسی اصول کی بنیاد پر جو نتیجہ نکلتا ہے اس سے اب گریز کر نیکی کونسی راہ انکے پاس باقی ہے؟
اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو آپ ہی خوب جانتا ہے مگر میری سمجھ میں تو اس طریق میں یہ بھی ایک مصلحت
الٰہی تھی تا یہ لوگ پوری پورے ملزم ٹھہریں اور انکی زبانوں سے وہ اقرار کرایا جائے جس کے رو سے حضرت
مسیح موعودؑ کی صداقت ایک ثابت شدہ امر ٹھہرتا ہے۔ اب انکے ہاتھ میں انکی اپنے اقرار کے رو سے
اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ تائیدی شہادت کے ایک عظیم الشان مجموعہ کے مقابلہ میں انکے پاس
ایک آدھ بات مخالفانہ شہادت کی ہے اسکا جواب ہم تو دے چکے اور منہاج نبوت سے اپنے جواب
کی سچائی ظاہر کر چکے اب اُنکا جواب سننے کے لیے منتظر ہیں کہ آیا یہ لوگ منہاج نبوت کو قایم
رکھیں گے یا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور مخالفت کو قایم رکھکر دہریہ پن کیطرف جھک جائیں گے۔

یہ جواب ہمارا صرف ایک پہلو سے ہے۔ اور اس کے ساتھ بعض اور امور بھی قابل
غور ہیں اول یہ کہ ثناء اللہ نے پہلے مباہلہ سے انکار کیا اور اس بد دعا کو جو حضرت صاحب نے
اسکے لیے کی تھی مباہلہ ہو نیسے انکار کیا اور اب خود اسکا نام مباہلہ رکھتا ہے جو ایمانداری نہیں
ہے حقیقت الامر یہی ہے کہ مباہلہ نہیں ہوا[*] دوسری یہ کہ جب حضرت صاحب نے
اس کے لیے بد دعا کی تو اس نے اس بات سے بھی اپنا انکار شایع کر کے لکھدیا کہ میں اس طریق فیصلہ کو
منظور نہیں کرتا جیسا کہ اس کے اخبار اہل حدیث سے ظاہر ہے بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس کے
انکار سے کیا ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ حضرت مسیح موعودؑ تو کسی طرح سے اس سے فیصلہ کرنا
چاہتے تھے۔ اور جب دوسرا فریق ہی اس طریق فیصلہ سے انکاری ہے تو فیصلہ کہاں ہوا۔
تیسری یہ کہ ہم تو اس بات کو اب بھی مانتے ہیں کہ حضرت صاحب کی بد دعا اس کے حق میں منظور
ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لیگا یہ بات ہم تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں۔ ہاں جس طرح
خدائے تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کو آنحضرتؐ کے بعد تک زندہ رکھا اسی طرح کسی مصلحت کی وجہ سے ان

[*] یاد رہے کہ حضرت صاحب کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا کہ ایک مامور کے تمام مخالف اس کی زندگی میں ہلاک ہو جایا کرتے ہیں بلکہ یہ صرف اُن مخالفین کے لیے تھا جو بالمقابل مباہلہ کریں اور یہ بات کئی دفعہ کھولکر آپنے بیان فرمائی تھی۔ منہ

دونوں کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کے بعد تک زندہ رکھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کیوں ایسی بددعا کی یا کیوں ایسا خیال ظاہر کیا جس میں ان دونوں کی اپنے سامنے موت کو معیار صداقت قرار دیا؟ یہ اس لیے کہ آپ اسقدر مخالفوں کی ہلاکت کو جو آپکے مقابل پر آئے تھے دیکھ چکے تھے کہ آپ اپنے رب سے پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ ایسا ہی کریگا۔ مگر خدائے تعالیٰ غنی بھی ہے وہ جسطرح چاہتا ہے ایک کام کو کرتا ہے کسی کا مطیع نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تو آخر اس سلسلہ کو کامیاب کرکے دکھانا ہے سو اس نے تو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے بھی اسکی کامیابی کا ثبوت دیدیا ہے اور ابھی خدا جانے اور کیا کیا ہاتھ اپنی نصرت کے دکھائیگا۔ خود اسکی تائید غیبی جو آپکی وفات کے وقت میں اس سلسلہ کے شامل حال ہوئی اور پہلے سے شایع شدہ وعدوں کے مطابق ہوئی بتا رہی ہے کہ تمام اعتراض ہیچ ہیں۔ اور یہ بھی محض یاوہ گوئی ہے کہ حضرت صاحب پر وہ بددعا پڑی آپکے الفاظ تو یہ ہیں کہ میں یہ دعا اس لیے کرتا ہوں "کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے" سو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی آپکے لیے واقع نہیں ہوئی بلکہ حسرت اور ناکامی وہ اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں کیونکہ دشمنوں کی ساری آرزوئیں آنجناب کی وفات کے ساتھ ہی خاک میں مل گئیں۔ اور سلسلہ اسی طرح کا اسی طرح قایم رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ آپکے کسی الہام یا وحی میں ہرگز یہ لفظ نہ تھے کہ ثناء اللہ یا عبدالحکیم آپکی زندگی میں فوت ہونگے۔ ہاں آپ کی وحی کے رو سے دونوں کے لیے ہلاکت ضرور مقدر ہے سو خدائے تعالیٰ جب چاہیگا اپنے کلام کو پورا کرکے دکھادیگا۔ باقی رہی عبدالحکیم کی پیشگوئی سو خدائے اسکی ایسا جھوٹا کرکے دکھایا ہے کہ اسکو شرم کے مارے اس کا نام بھی نہ لینا چاہیئے تھا اس نے اپنی پہلی پیشگوئی کو جسمیں تین سال کی میعاد بتائی تھی اور حضرت صاحب کی وصیت کے بعد شایع ہوئی تھی دوسری پیشگوئی سے منسوخ کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ ۴۔ اگست کو

آپ کی وفات واقع ہو گی پس اس پیشگوئی کو جھوٹا کہنے کیلئے یہ ضروری نہ تھا کہ آپ ۴۔ اگست سے بعد فوت ہوتے بلکہ جب ایک دن معین کر دیا گیا تو اب جب جبتک پیشگوئی اسی دن واقع نہ ہو جھوٹی ہو گی بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ۴۔ اگست سے پہلے واقع ہونے میں ایک مصلحت الٰہی یہ بھی تھی کہ کذاب کو کسی تاویل کی گنجایش نہ رہے کیونکہ ۴۔ اگست سے بعد واقع ہوتی تو وہ کہہ سکتا تھا کہ انذاری پیشگوئی میں میعاد کی مہلت مل سکتی ہے۔ مگر خدا نے نہ چاہا کہ اسے راستبازوں کے ساتھ کوئی بھی مشابہت حاصل ہو اس لیے اپنی مصلحت سے ایسے وقت میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو وفات دی جس سے وہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ اسقدر فخر کرے جسقدر شیاطین استراق سمع سے کر سکتے ہیں۔

جماعت کو نصیحت } اخیر میں میں اپنے احمدی احباب کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسی ہمت دکھائیں جس سے مخالفوں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے۔ اور ایسی نیک اور پاک زندگی کا نمونہ دکھادیں جس سے دانشمندوں کے نزدیک مخالفین کے اعتراضوں کی ساری وقعت جاتی رہے۔ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو مصائب مومنوں پر بھیجتے ہیں تو اس لیے کہ انکو پاک کریں اور انکو انعام دیں اور خود حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں بھی یہی غرض آپ کی وفات کی بیان کی ہے جیسے فرمایا یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ اور اسی کے ساتھ فرمایا انت الذی طار الی روحہٖ۔ پس اسوقت اپنی زندگیوں میں ایک نئی تبدیلی پیدا کر کے دنیا کو دکھادو کہ اس ابتلا کے نیچے بھی احمدی جماعت ایک سچے مومنوں کی جماعت ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ ابتلا کے نیچے ترقی کرنا یہ بھی مومنوں کا ہی حصہ ہے۔ بہت سے مسائل پر گفتگو اور بحث کی نسبت یہ بہتر ہے کہ تم اپنا نیک نمونہ دکھا کر انکو مسخر کر لو۔ یاد رکھو کہ اگر تم دوسرے لوگوں پر غالب آسکتے ہو اور خدا کا وعدہ ہے کہ تم غالب کیے جاؤ گے) تو اس کا یہی طریق ہے۔ تمت